ہماری ویب ڈیجیٹل بک

فیصل فاروق ساگر

FAISAL FAROOQ SAGAR

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Faisal Farooq Sagar"
at Hamariweb.com

عام انتخابات کی آمد۔۔۔۔وفاداریاں تبدیل کرنے کا موسم

ملک میں عام انتخابات قریب آتے ہی انتخابی سرگرمیاں رفتہ رفتہ زور پکڑنے لگی ہیں اور وہ سیاسی ڈیرے بھی آباد ہونے لگے ہیں جہاں 2008ء کے الیکشن کے بعد سے لے کر اب تک ویرانیاں چھائی ہوئی تھیں۔ ڈنگ ٹپاؤ وفاقی حکومت گرتی پڑتی بالآخر اپنی پانچ سالہ مدت پوری کرنے جارہی ہے، پاکستان میں جمہوری نظام کا تسلسل اور حکومتوں کا مدت پوری کرنا ایک نیک شگون ہے۔ عام انتخابات کی آمد کے ساتھ ہی سیاسی وفاداریاں بدلنے کا موسم بھی آگیا ہے نئے وعدے، نئی قسمیں کھائی جارہی ہیں۔ ہوا کا رُخ دیکھ کر لیڈروں کے زائچے بنا بنا کر دیکھنے والوں کی سیاسی جماعتوں میں آنیاں جانیاں لگی ہوئی ہیں۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے، بعض سیاستدان نئی سیاسی ضرورتو ں کے تحت نئے آشیانوں میں پناہ لے رہے ہیں۔

موجودہ صورتحال عوام کے لئے ایک نئے موقع کا باعث ہے۔ وہ لوگ جو پچھلے ساڑھے چار سال سے حکومتوں کا ماتم کررہے ہیں۔ بجلی، گیس کی لوڈشیڈنگ اور مہنگائی و بے روزگاری کے ہاتھوں خودکشیاں کرنے کی کوششیں یا دھمکیاں دے رہے ہیں اور حالات سے پنجہ آزمائی کرتے کرتے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے ہیں ان کے لئے سنہری موقع ہے کہ وہ اب اپنے چھوٹے چھوٹے فائدے کیلئے اپنا اور ملک کا

بھاری نقصان کر ڈالنے کی بجائے ہوش وہواس کو قائم رکھتے ہوئے ملک کے مفاد میں درست اور تاریخی فیصلہ کریں جس کے فوائد بہرحال پوری قوم تک پہنچیں گے، گزرا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ بے حس لوگوں کو حکومتوں میں بٹھا کر بعد میں انہیں ہٹانے کے لئے جھولیاں اُٹھا اُٹھا کر بددُعائیں کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ایسے لوگوں کو پہلے ہی دھتکار کر اقتدار کے ایوانوں سے دُور رکھا جائے تاکہ یہ جابر، ظالم اور پتھر دل لوگ طاقت میں آ کر غریبوں کے حصے کے دانے نہ چھین سکیں۔

نیا الیکشن ملکی بقاء و سلامتی کے لئے انتہائی اہم ہوگا۔ بعض قوتوں نے ابھی سے احتساب کے نام پر الیکشن کے التواء کی کوششوں کا آغاز کر دیا ہے لیکن عوام حالات کو بھانپ کر صورتحال کا صحیح اِدراک کرتے ہوئے قومی معاملات پر اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی ٹھان لیں تو کسی بدنیت کو اس کے ارادوں میں کامیابی نہیں مل سکے گی۔ پاکستان کے مسائل کا حقیقی حل خود عوام کے اپنے ہاتھ میں ہے آج بھی درست فیصلوں سے درست سمت میں پیش قدمی کی جاسکتی ہے۔ مایوسیوں اور فقط بیٹھ کر حکمرانوں کی برائیاں کرنے سے حالات بدلنے والے نہیں ہیں۔ ووٹ کی قوت سے بننے والے ملک کے باسی وطن کی حالت ووٹ بدلنے کی ٹھان لیں تو منزل کا حصول دُور نہیں ہے۔ ووٹ کا صحیح استعمال کے ٹو یا ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے جیسا مشکل کام نہیں ہے، اب دیکھئے آنے والے دنوں میں رونے

بلکتے عوام موقع ملنے پر کس رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اور اب وزیرستان آپریشن ضرور ہوگا

آج پھر 12 اکتوبر ہے، عوام کے حق پر چوتھی باقاعدہ ڈاکہ زنی کا دن، لندن میں عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے والا آمر ملک کو آگ میں جھونک کر جا چکا اور جمہوری حکومت نے بھی کامیابی سے اپنی مدت پوری کرنے کی طرف پیش قدمی جاری رکھی ہوئی ہے۔کہنے کو تو جمہوریت کامیاب اور فاتح قرار پائی ہے مگر افسوس کہ جمہوری حکمرانوں کے دور میں بھی عوام بری طرح ہار گئے ہیں اور شکست و ریخت کا یہ عمل تسلسل سے جاری ہے،آمر کو سلیوٹ مارنے والی حکومت نے جو بیرونی انتظام کے تحت معرض وجود میں آئی تھی اپنے ملک کے لوگوں سے تو نہیں پر غیروں سے خوب نبھائی ہے اور آمرانہ دور کی پالیسیوں کو اب تک چوم چاٹ کر سینے سے لگا رکھا ہے سو مشرف کے جانے سے اگر کچھ بدلا ہے تو صرف اتنا کہ اس کا دم بھرنے والے وزیروں مشیروں نے نئی پارٹیوں کے جھنڈے تھام لئے ہیں۔قوم کے لئے خوشیاں اب بھی خواب و سراب ہیں،لوگ مر رہے ہیں اور مرتے ہی چلے جا رہے ہیں گلستان کا ایک ایک پھول نوچ کر پھینکا جا رہا ہے لیکن باغبان کا کچھ پتا نہیں کہ کہاں ہے۔ملالہ یوسف زئی پر حملے کے بعد ہر پاکستانی ملول ہے، درندگی اپنی آخری حدوں کو چھو چکی، ملالہ واحد لڑکی نہیں جو نشانہ بنائی گئی ہے یہاں تو ہر روز درجنوں مائیں اپنی گود اجڑنے پر بین کرتی ہیں انسان کٹ کٹ کر گر رہے ہیں، گولی اور بندوق

کے ذریعے امن لانے والے امریکہ کے تنخواہ دار پاکستانی حکمران پورا ملک اجاڑ دینے کے در پہ ہیں۔ طالبان کے کتنے گروپ کام کر رہے ہیں کچھ پتا نہیں، واردات ابھی مکمل نہیں ہوتی کہ طالبان کا کوئی نہ کوئی گروہ اپنے سر ذمہ داری لے بھی چکا ہوتا ہے، گمان ہے کہ امریکہ، بھارت ،افغانستان حتیٰ کہ پاکستان کی حکومت کے بھی اپنے اپنے طالبان ہیں جو پاکستان کے اندر پوری طرح سر گرم ہیں، پاکستان منظم اندرونی و بیرونی سازشوں کی زد میں ہے، رحمٰن ملک نے کہہ دیا ہے کہ ملالہ پر حملہ کرنے والوں کو جانتا ہوں بالکل ایسے ہی جیسے آصف زرداری نے بے نظیر کے قاتلوں کو جاننے کا دعوی کیا تھا، آصف زرداری کی طرح رحمٰن ملک کے پاس بھی بات کر کے مکرنے کے فن کی کمی نہیں، ویسے بھی ان کی باتوں پر یقین کس کو ہے۔ڈرون حملے مشرف دور سے جاری ہیں عمران خان پہلے کہاں تھے ،انکی ڈوریاں ہلانے والوں نے انکی مقبولیت کا ہلکا ہوتا ہوا پلڑا پھر سے بھاری کرنے کی ٹھان لی ہے، ملالہ پر حملہ کرنے والے نے وزیرستان آپریشن کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو کافی حد تک دور کر دیا ہے، رائے عامہ اگر کوئی ہے بھی تو وہ اب ملالہ کی ہمدردی میں آپریشن کے لیے سازگار ہوتی چلی جائے گی، ہم وزیرستان میں خود آپریشن کریں گے کا نعرہ لگا کر ایک نئی آگ میں کود جائیں گے، اپنا دیرینہ مطالبہ پورا ہونے پر امریکہ شاید ڈرون حملے بھی روک یا کم کر دے گا، ملک میں خانہ جنگی کا ماحول عام انتخابات کی منزل دور لے جائے گا، خفیہ اداروں اور امریکہ دونوں کو اپنے اپنے مقاصد

میں کامیابی مل جائے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ عمران خان کو بھی ان کے حصے کا
کریڈٹ نہ ملنا عمران خان اور ان کی تحریک انصاف کے ساتھ سخت ناانصافی ہو گی۔

ملا کی اذاں اور ہے

سنا تھا کہ ڈاکٹر علامہ طاہر القادری عام مولویوں سے مختلف عالم دین ہیں جنہیں بیک وقت کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے وہ ایک لمبے عرصے سے دین کی تبلیغ کر رہے ہیں انکے چاہنے والوں میں ہر سیاسی پارٹی سے تعلق رکھنے والے رہنما و کارکن شامل ہیں موصوف سیاسی محاذ پر بھی سرگرم رہے ایک وقت تو ایسا بھی تھا کہ انکی جماعت پاکستان عوامی تحریک نے بڑے زور وشور سے انتخابات میں حصہ لیا تب شاید علامہ صاحب کو پاکستان میں رائج انتخابی سسٹم کی خرابیوں کا پوری طرح سے ادراک نہ تھا ان دنوں پرویز مشرف نے آج کے ایک اور انقلابی عمران خان ، میاں اظہر اور علامہ صاحب کے لئے شیروانیوں کا آرڈر اپنے شاہی درزی کو دیا تھا اور کمال یہ ہوا کہ تیار شیروانیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں اور وزارت عظمی کوئی اور چرا لے گیا تھا اس واردات کے بعد مستعفی ہو کر علامہ صاحب ایسے غائب ہوئے کہ ماسوائے ایک نجی ٹی وی کے کہیں اور دکھائی نہیں پڑتے تھے پرویز مشرف نے جو کہ ریفرنڈم میں ان کی حمایت سے اپنی کرسی پکی کرنے میں کامیاب ہوئے تھے پاکستانی قوم پر کیا کیا ستم نہ ڈھائے مگر علامہ ایسے کینیڈا سدھارے کہ پھر واپس نہیں آئے عدلیہ پابند سلاسل ہوئی، لال مسجد معصوم بچے بچیوں کے خون سے تربتر ہوئی، اکبر بگٹی جیسے محب وطن سردار کو للکار کر

مارا گیا عدلیہ کی بحالی کے لئے وکلاء اور سیاسی کارکن کفن باندھ کر سڑکوں پر نکل آئے مگر علامہ کو کسی روٹھے ہوئے بلما کی طرح نہ آنا تھا نہ آئے مدت بیت گئی کوئی سیاسی سرگرمی نہیں ریمنڈ ڈیوس کو لے جانے والے سہرا باندھ کر لے گئے عافیہ صدیقی کی بہن کسی مسیحا کو تلاش کرتی پھرتی رہی لاپتہ افراد کے لواحقین کے آنسو ختم اور گلے رندھ گئے آصف زرداری کی اندھیر نگری مچی اور پھر بام عروج کو پہنچی فیکٹریاں بند ہوئیں روزگار ختم ہوا چھینا جھپٹی لوٹ مار کا بازار گرم ہوا آٹا مہنگا اور جسم سستے ہوئے اور لو گ نوالوں کے لئے ترسنے لگے ، عورتیں بجلی کے بل ہاتھ میں لے کر عصمتیں بیچنے نکل آئیں حالات کے تھپیڑوں سے ہار مان کر کئی ماؤں نے کلیجے کے ٹکڑوں کو اپنے ہاتھوں سے ابدی نیند سلا کر خود بھی موت کو گلے لگا لیا لوڈشیڈنگ اسقدر بڑھی کہ مزدور کسان ، صنعتکار اور تاجر سب یک زبان ہو کر بلکنے لگے لیکن کسی مجبور پاکستانی کی صدا، میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ کینیڈا میں بیٹھے قوم کے اس مسیحا کے کانوں تک پہنچ پاتی سو ظلم کی رات طویل ہوتی گئی بالآخر زرداری راج کا وقت پورا ہونے کو آیا نئے الیکشن کی تیاریاں شروع ہوئیں تو عوام ہیں ایک امید جاگی انہیں فیصلے کا حق پھر ملے گا وہ ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے درست فیصلہ کر سکیں گے، دنیا بھر میں جہاں جہاں جمہوری نظام قائم ہے وہاں ایسے ہی ہوتا ہے حکومتیں اپنی مدت پوری کرتی ہیں اور اسکے بعد سیاسی جماعتیں ایک بار پھر عوام میں جاتی ہیں یہ عوام پہ منحصر ہوتا ہے کہ وہ

کسے ووٹ دے کر منتخب کرتے ہیں، پاکستان میں پردے کے پیچھے بیٹھ کر ڈوریاں ہلانے والوں کی اپنی ہی منطق پہ مبنی یہ سوچ ہے کہ یہاں کی جمہوریت دوسرے ملکوں سے مختلف ہے اور عوام بھی اس قابل نہیں کہ وہ کوئی درست فیصلہ کر سکیں یہاں عملی طور پر کنٹرولڈ ڈیمو کریسی کی ناقابل فہم اصطلاح متعارف کرانے اور اسے رائج کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں، یہ حلقے ہر الیکشن سے قبل اپنی مرضی کا انتخابی ڈیزائن ترتیب دیتے ہیں، وہ کبھی آئی جے آئی کی شکل میں سامنے آتا ہے، کبھی ایم ایم اے تو کبھی این آر او کے انتظام کی صورت میں، ظالمو قاضی آرہا ہے، سب سے پہلے پاکستان، پہلے احتساب پھر انتخاب اور نہ جانے کون کون سے نعرے اور سپانسرڈ پروگرام ہیں جو ریاست بچانے کے نام پر متعارف کرائے جاتے رہے ہیں اور اب سیاست نہیں ریاست بچاؤ کا نیا نعرہ سامنے آیا ہے اور اس نعرے کی ہنڈیا چڑھانے کی ذمہ داری علامہ صاحب کو سونپی گئی ہے سونے پہ سہاگہ بلکہ چیخیں نکلوادینے والی بات یہ کہ اس ہنڈیا کو ایم کیوایم کا تڑکہ بھی لگایا جارہا ہے کم از کم میری اپنی تو یہ کیفیت ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں پندرہ سال سے مسلسل برسر اقتدار رہنے والی ایم کیوایم جس پر 12 مئی کو کراچی میں چیف جسٹس کے استقبال کے لئے نکال جانے والی ریلی کو خون سے رنگین کر دینے کے ساتھ ساتھ بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ جیسے سنگین الزامات ہیں کی جانب سے موجودہ نظام کو برا بھلا کہنے اور انقلاب کی باتوں پر قہقہے لگا کر ہنسوں یا وطن عزیز کے کسی غریب مزدور، دہقان کے گلے

لگ کے اس کی بد نصیبی کے دن اور طویل ہوتے دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر روؤں، مجھے افسوس ایم کیو ایم کے مسلح طرز سیاست پر بھی ہے اور پیپلز پارٹی کی جمہوریت کی دعوے دار قیادت کے ہاتھوں بیشاق جمہوریت کی بے حرمتی پر بھی کہ اگر اس پر کچھ نہ کچھ عملدرآمد ہوتا رہتا تو ملک کے ازلی حاکموں کی شرارتیں شاید کچھ حدود وقیود میں رہتیں، چوہدریوں کی مٹی پاؤ اور اصولوں کو پیروں تلے روندتی سیاست پر بھی دکھ ہے کہ آئے دن قافلے کا سالار بدلتے ہوئے ان کا ضمیر بھی انہیں ذرہ برابر ملامت نہیں کرتا لیکن سچ جانیں تو مجھے دلی رنج دین کے ان وارثوں کی خفیہ سودے بازیوں، پلٹوں اور منافقت کی سیاست پر ہے جنہیں ملک پر 40 سال حکومت کرنے والے ڈکٹیٹروں کے بارے میں ایک لفظ تک منہ سے نکالنے کی توفیق نہیں، جن کا تازہ نسخہ جمہوریت کے کاغذ میں آمریت کی پھکی ہے، ابھی کل ہی کی بات ہے جب کتاب کے نام پر عوام سے ووٹ سمیٹ کر مولانا فضل الرحمٰن نے شاہ کی خدمت کی غرض سے ایوان صدر کے خفیہ راستوں کے ذریعے ہونے والی ملاقاتوں کے لئے مولانا غفور حیدری کی مستقل ڈیوٹی لگا رکھی تھی، ہر دور میں ملا ملٹری الائنس نے اپنا کام دکھایا ہے اور اب کی بار طاہر القادری صاحب کی آنکھ عین اس وقت کھلی ہے جب عام انتخابات سر پر آ گئے ہیں، آئین کی دہائی دینے والا ملا حکومت اور اپوزیشن کو نگران حکومت کے قیام کے لئے حاصل آئینی حق کو دو جماعتوں کا باہمی گٹھ جوڑ قرار دے کر ہڑپ کر جانے کے در پہ ہے باوجود اسکے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلا موقع ہے کہ یہ الیکشن

ایک مکمل آزاد عدلیہ اور ایک آزاد و متفقہ الیکشن کمیشن کے تحت ہونے جا رہے ہیں، اپنے آپکو عقل کل کا مالک سمجھنے والی قوتوں کو آنے والے انتخابات کے یہ انتظامات ایک آنکھ نہیں بھا رہے کیونکہ اگر ایسا ہوا تو من مانیوں اور پسندیدہ نتائج حاصل کرنے کی خواہش فقط حسرت ہی رہ جائے گی سو کینیڈا میں بیٹھے علامہ صاحب کی خدمات کا سودا طے پا گیا ہے مارکیٹ کیا رخ اختیار کرتی ہے اسکا اندازہ اگلے چند دنوں میں ہو جائے گا، پاکستان میں ریاست بچانے کے نام پر جمہوریت کا خون ہوا تو ذمہ دار کینیڈا اور برطانیہ کی وفاداری کا دم بھرنے اور حلف اٹھانے والے یہی دو اصحاب ہو ں گے ،طاہر القادری کی آواز مجاہد کی اذاں نہیں ملا کی وہ پر فریب صدا ہے جس میں لوگوں کی فلاح کی بجائے حق تلفی ،فساد، قتل و غارت اور تباہی کا پیغام پنہاں ہے۔

اک بے وفا آدمی

نواز شریف وزیر اعظم کیا بنے باغیانہ روش کے مالک جاوید ہاشمی نے جو میاں نواز شریف کے خلاف تحریک انصاف کی طرف سے وزارت عظمیٰ کے امیدوار تھے نواز شریف کو اپنا لیڈر کہہ کر سب کو ورطہ ء حیرت میں ڈال دیا، تحریک انصاف کے حلقوں میں تو ہاشمی کا انکشاف کانٹے کی طرح چبھ گیا ہے، جاوید ہاشمی کا محبتوں میں بھی عجب قرینہ ہے، تیرے بنا بھی نہیں جی سکتے اور تیرے بنا بھی نہیں جی سکتے والا معاملہ ہے، ہاشمی کو نواز شریف سے زیادہ محبت ہے یا عمران خان سے یا پھر چوہدری نثار علی خان سے رقابت ساری محبتوں پر غالب ہے کچھ یقین سے کہنا مشکل ہے مگر اک وہ بھی زمانہ تھا جاوید ہاشمی نواز شریف کے قریبی رفقاء میں شمار ہوتے تھے اور نواز شریف سمیت پوری مسلم لیگ ن ہاشمی کے عشق میں مبتلا تھی جاوید ہاشمی نے بغاوت کو عادت بنالیا تو مسلم لیگ ن سے دور ہوتے چلے گئے یہ دوری پہلے انہیں عمران خان کے پاس لے گئی اور پھر قومی اسمبلی میں اپنے ہی لیڈر کے مد مقابل لا کھڑا کیا، نواز شریف سے ہارنے کے بعد جاوید ہاشمی نے اپنی موجودہ پارٹی دیکھی نہ عمران خان کی انقلابی قیادت اور گئے دنوں کا سراغ ڈھونڈنے لگے وہ اس دن حریف تھے چاہتے تو طعن آشنائی کے بغیر بھی بات کر سکتے تھے مگر تحریک انصاف کے ہاشمی اس دن بدلے بدلے سے

لگے ،نواز شریف کے خلاف قومی اسمبلی میں وزارت عظمیٰ کا الیکشن لڑ کر شاید انکی بیقراریوں کو قرار مل گیا یا نواز شریف کی وزارت عظمیٰ نے اپنا رنگ جما یا اور ہاشمی کی بغاوت کا زہر ہوا ہو گیا، شاید ان کی بغاوت کی حد یہاں تک تھی، جو ٹھن ہی گئی تھی تو پھر یاری پہ حرف کیوں آنے دیا، نواز شریف جسے چھوڑتے وقت جاوید ہاشمی کے سخت دل پر کارکنوں کی کسی فریاد نے اثر نہیں کیا تھا وہ آج بھی ہاشمی کا لیڈر ہے اور آئندہ بھی رہے گا، بات ہضم ہونے والی نہیں، ہاشمی کی خواہشوں کے فشار نے انکا رنگ بغاوت ہی اجاڑ دیا ہے ویسے بھی ان کا انقلاب تو انکی ذات کے حصار میں قید تھا اور انقلابی سوچ کی پرواز یہاں تک تھی کہ ان کو ملک کے صدر یا قائد حزب اختلاف کے طور پر چن لیا جائے ۔۔جاوید ہاشمی کا انقلاب کسی بڑے عہدے کی خواہش بن کر ابھرا اور پھر عمران خان کے شیخ چلی سونامی میں فنا ہو گیا ہاشمی جنہیں دنیا ضمیر کے قیدی کے طور پر جانتی تھی درحقیقت اپنی خواہشوں کے اسیر نکلے، سیاست صحیح وقت پر صحیح فیصلوں کا نام ہے آمریت کی سختیوں اور جبر کے سامنے سینہ سپر ہو جانا ان کا درست فیصلہ تھا اس فیصلے نے ہاشمی کو آمریت کا باغی بنایا اور سیاست میں ان کا قد ایکدم بہت اونچا ہو گیا، مسلم لیگ ن کی قیادت اور کارکنوں نے ان کی قربانی کی قدر محبتوں اور عقیدتوں کے پھول نچھاور کر کے دی، مسلم لیگ ن کی کوئی بھی میٹنگ یا جلسہ ہاشمی کو خراج عقیدت پیش کئے بغیر ادھورا رہتا۔۔۔اک بہادر آدمی ہاشمی ہاشمی کے نعرے جاوید ہاشمی کا اعتراف بن کر گونجنے لگتے۔۔۔اور جا

وید ہاشمی جیل سے رہائی کے بعد میاں نواز شریف کی موجودگی میں ان تقریبات کے دلہا بنے رہے وہ خود اپنے قائد کی جدو جہد کا تذکرہ نہ بھولتے۔ برسوں تک یہی معمول رہا یہاں تک کہ ہاشمی کی بے وفائی سے قبل آخری یوم تکبیر کی تقریب میں بھی انہوں نے جس خوبصورت انداز میں میاں نواز شریف کو خراج تحسین پیش کیا وہ بھلانے کے قابل نہیں مگر پھر ہاشمی کی سیاست میں غلط فیصلے کا وقت آن پہنچا، خواہشوں کے غبار اور حالات کی گرم ہوا نے چوہدری نثار کی رقابت کی آگ کو جوش دیا اور وہ تحریک انصاف کی اس بس کے مسافر بن گئے جسکے بیشتر مسافروں کو خود اپنی منزل تک پہنچنے کا یقین نہ تھا، تب نواز شریف کی جماعت امتحان میں تھی، آج سرخرو ہو گئی تو نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے ساتھ ہی ہاشمی کی یاد داشت بھی لوٹ آئی ہے اور انہیں یاد آگیا کہ ان کا لیڈر کون ہے مگر شاید انہیں احساس نہیں کہ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا اور جاوید ہاشمی کو دیکھ کر ان کے مداحوں کے دل سے اک بہادر آدمی کی بجائے اب اک بے وفا آدمی کی آوازیں آتی ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ میاں نواز شریف بھی جاوید ہاشمی کو پھر سے اجنبی بن جانے کا مشورہ دے ڈالیں، کم از کم ایک دوسرے سے دلنوازی کی امید تو نہ ہو گی۔

مسیحائی کا قحط

فرقان عزیز بٹ یوں تو جوشیلا جوان ہے اور اپنے جوش کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے لیکن دو دن قبل اس کا فون آیا تو میں نے اسے انتہائی افسردہ اور رنجیدہ پایا کہنے لگا ساگر بھائی ٹراما سنٹر میں پارکنگ کے نام پر عوام کو لوٹا جا رہا ہے، شیڈول ریٹ سے ڈبل پیسے وصول کئے جا رہے ہیں کار پارکنگ کے 40 موٹر سائیکل کے 20 اور سائیکل والا 10 روپے ادا کرنے پر مجبور ہے، اس بے ضابطگی پر حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوا، شہر میں پارکنگ سٹینڈز جگا اکٹھا کرنے کا بڑا ذریعہ بن گئے ہیں شریف شہری پارکنگ کے لئے متبادل مناسب جگہ نہ ہونے کے باعث پارکنگ فیس بھی ادا کرتے ہیں اور بد تمیز عملے کی جھڑکیاں بھی کھاتے ہیں ٹراما سنٹر وہ جگہ ہے جہاں مصیبت کے مارے اپنے پیاروں کی زندگی کی جنگ لڑتے لڑتے بمشکل پہنچتے ہیں یہاں بھی شہر کی دوسری جگہوں کی طرح جگا وصول کرنے والوں کا راج افسوسناک ہے، مگر شاید دوسری جگہوں کی نسبت بے حسی کا عنصر یہاں زیادہ پایا جاتا ہے گزشتہ دنوں ڈاکٹرز کی باہمی لڑائی نے ڈی ایچ کیو اسپتال میں جو تماشہ لگایا تھا اور اس دوران انسانیت کی جو تذلیل ہوئی وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، مریض تڑپ تڑپ کر مسیحاؤں کی دہائی دیتے رہے مگر بے سود تب یہ احساس ہوا تھا کہ ہم اخلاقی

پستی میں شاید دنیا کی ساری اقوام کو ہی پیچھے چھوڑ چکے ہیں، ہماری بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ایک انسان ہمارے سامنے سسک سسک کے جان دے رہا ہوتا ہے مگر ہمیں پرواہ نہیں ہوتی ، ذاتی مفادات اور دولت کے اندھے تعاقب نے انسانی قدروں کو بری طرح پامال کر دیا ہے یہی نہیں شہر میں مقامی حکومتوں کے تحت کام کرنے والے عملے نے بھی اودھم مچار کھا ہے نہ جانے کس کس بہانے سے مال اکٹھا کرکے افسر شاہی کی جانب سے دیا جانے والا ٹارگٹ پورا کیا جاتا ہے ٹی ایم اے کے سرکاری بھتہ خوروں نے دوکانداروں اور خوانچہ فروشوں کی ناک میں دم کیا ہوا ہے،بڑے بڑے ایئر کنڈیشنڈ دفتروں میں میٹنگز کے نام پر خوش گپیوں میں وقت گزارنے والی مقامی سرکار نے اپنے کانوں میں بے حسی کی روئی ٹھونس رکھی ہے سو اس تک مجبوروں اور غریب دوکانداروں کی صدا پہنچنے سے قاصر ہے غریب چھابڑی والوں اور ان بڑے افسروں میں بنیادی فرق اور فاصلہ تعلیم کا ہے چھابڑی والے اپنے حالات کی چکی میں پس کر سبزی فروٹ بیچنے پر مجبور ہوئے ہیں اور سارا دن سرکار کے خوف سے سہمے ہوئے اپنی بے عزتی کرواتے اور اپنی خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ حرام کھانے والوں کا پیٹ بھرنے پر صرف کرتے ہیں جبکہ سرکار میں بیٹھے اعلیٰ تعلیم یافتہ افسران پڑھ لکھ کر اس منصب تک تو آ گئے ہیں لیکن انکی تعلیم معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کے کسی کام کی نہیں کمشنر،آر پی او،سی پی او یا ڈی سی او یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی کے ہاتھ میں بھی عوامی فلاح کی سرے سے لکیر ہی موجود نہیں ہے ذاتی کارکردگی

دکھانے کے جنون میں مبتلا انگلی کے اشارے سے چھابڑی والوں کو رزق سے محروم کرنے والی میڈم صالحہ سعید کیا جانیں کہ گھروں میں بیٹھے کتنے اہل خانہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے ان خوانچہ فروشوں کی راہ تک رہے ہوتے ہیں ،انسانوں کے حقوق پامال کرنے والے انسانوں ہی کے اپنے بنائے ہوئے کالے قوانین جو لوگوں کے منہ سے روٹی کا نوالہ چھین لیں اصل میں معاشرتی بگاڑ کا باعث بنتے ہیں ، یہی بگاڑ جرائم خاص طور پر سٹریٹ کرائمز میں اضافے کا سبب بنتا ہے ،خدا کی پناہ اگر سرکار کو کسی کے لئے روزی کا انتظام کرنے کی فرصت نہیں تو نہ سہی لیکن اسے شہریوں سے روزی چھیننے کا بھی کوئی حق نہیں، پاکستان سب کا ہے تو اس میں چھابڑی والے کے لئے کوئی ایک کونہ کھدرا کیوں میسر نہیں، غریبوں کے لئے پاکستان کی زمین اتنی تنگ کر دی گئی ہے کہ لوگ اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، ہر جگہ عوام کی درگت بنائی جا رہی ہے، تھانوں کی تو بات ہی چھوڑیں وہاں جو نوٹنکی لگی ہوئی ہے وہ اتنی بھیانک ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی پولیس گردی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نظام میں جرائم پیشہ پولیس افسروں کو سزا دینے کا کوئی رواج نہیں حالانکہ مراعات کے باوجود جتنی گندی کارکردگی اس محکمے کی رہی ہے اب تو انکی وردی ہی نہیں چمڑی بھی اترنی چاہئے، تھانوں میں تشدد کر کے اقبال جرم کروانے کا فرسودہ طریقہ آج بھی جاری ہے اس تشدد سے تو شریف شہری گھبرا کر زمانے بھر کے جرائم کا اعتراف کرنے لگتا ہے، سو یہی وجہ ہے کہ جیلوں میں بے

شمار بے گناہ قیدی اپنی قسمت کو بیٹھے کوس رہے ہیں، ہر آنے والا بڑا پولیس افسر فوٹو سیشن اور ڈائیلاگ بازی میں پیش رو کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور ہم پولیس گردی پر دو لفظ لکھ دیں تو جیسے پولیس والوں کی دم پر جیسے پاؤں ہی آ جاتا ہے، شہری لٹ رہے ہیں ڈکیتیاں عام بات ہو گئیں لیکن بغیر سفارش کے کوئی ایف آئی آر تک نہیں کاٹتا معاشرے میں ظلم، زیادتیاں اور نا انصافیاں عروج پر ہیں لیکن کسی صاحب اختیار کا کلیجہ نہیں پھٹتا چہار سو مسیحائی کا قحط ہے اس لئے کہ اختیار رکھنے والوں نے سینے میں دل کی جگہ پتھر کی سل رکھ لی ہے۔

ایک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھکو

صبح سے گھر سے نکلنے کی تیسری کوشش میں ناکامی کے بعد میں نے گھر کے باہر موجود دریائے راوی کی موجوں سے ہار مان کر کل چھٹی منا لی تھی ،زوردار بارش کے بعد پیدا ہونے والی ہنگامی صورتحال اور موٹر سائیکل کے سائیلنسر میں گھسنے والے پانی نے باہر جانے کے میرے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے روک دیا اور موٹر سائیکل کی کک مار مار کر مزید ہلکان ہونے کی ہمت بھی بالکل نہیں تھی، چونکہ قلم کے مزدوروں کی جیب کا حجم اسقدر نہیں ہوتا کہ وہ مری یا اس جیسے کسی اور تفریحی مقام کو نکل جائیں سو تیز بارش کے بعد وجود میں آنے والے اس دریا کے نظارے نے میری اس محرومی کو ختم کر کے میرے لئے اچھی خاصی تفریح کا سامان پیدا کر دیا تھا اور گھر میں مقید ہو کر میں نے اس پانی میں کئی خیالی کشتیاں اتاریں اور ہر کشتی ایک نئے خیال کی آمد کے ساتھ فنا ہو کے رہ جاتی دن بھر یہ سلسلہ جاری رہا میں دروازے تک جاتا اور اس نظارے پر واسا والوں کو ڈھیر ساری دعائیں اور داد دے کر واپس کمرے میں آ جاتا شام تک میری دنیا یہاں تک ہی محدود رہی اور مجھے قطعی احساس نہ ہوا کہ شہر میں اس جیسے بے شمار دریا اور ندیاں بہنے لگی ہیں اور مجھ جیسے کئی دوسرے سفید پوش بھائی جو تفریحی مقامات کی کہانیاں صرف امراء کی زبانی سن کر ہی محظوظ ہوتے رہتے ہیں ان سب پر آج واسا نے احسان کر دیا ہے شام کو کچھ انتہائی ضروری کام جن کی انجام دہی کے بغیر رات کی نیند

میں خلل کا اندیشہ تھا کرنے کی غرض سے موٹر سائیکل کو آنکھیں بند کرکے دریا میں اتارا اپنی سڑک سے باہر آیا تو اگلی سڑک کا منظر بھی کچھ مختلف نہ تھا اسکے ساتھ والی اور پھر نہ جانے کون کون سی سڑک تھی جو منیر نیازی کے شعر کا عملی نمونہ بن کر میرے سامنے نہیں آئی اور مجھے لگ بھگ ہر سڑک پر دریا نہیں بلکہ ایک بہت بڑے دریا کا سامنا تھا جلد ہی مجھ پر یہ راز کھلتا چلا گیا کہ یہاں تو راوی کے علاوہ چناب، جہلم، ستلج اور دریائے سندھ بھی پورے جوش کیساتھ بہہ رہے ہیں اور واسا کا محکمہ کسی خاص وجہ سے پانی پانی ہو یا نہ ہو لیکن پورا شہر ضرور پانی پانی ہو چکا ہے میں اب پانی میں گھومنے کے اس موقع کو کھونا نہیں چاہتا تھا طبیعت میں تجسس کی خامی کی وجہ سے بھی میں مجبور تھا کہ اس پانی میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاروں اسکی گہرائیاں اور وسعتیں جانچنے کی سعی کروں انجینئر ہوتا تو یہاں بجلی پیدا کرنے کی منصوبہ بندی کا آغاز کر دیتا لیکن میرے نصیب میں اتنا ہی لکھا تھا کہ جا بجا آنے والے کھڈوں اور کھلے گٹروں سے بچنے بچانے کے کھیل کا لطف ہی لیتا رہوں اس دوران کئی بار میرے وجود کو اچانک اور بھرپور جھٹکے بھی لگے اور میں ایکدم اپنی تخیلاتی پرواز سے دھڑام کرکے نیچے آ رہا مگر میں نے ان جھٹکوں کو اپنے لئے ورزش سے زیادہ کچھ اور تسلیم نہیں کیا تھوڑی ہی دیر میں پتلون کے پائینچے خوب گیلے ہوگئے اور میرے جوتے پانی جیسی نعمت کو بھی بوجھ سمجھنے لگے تو میرے اس مطالعاتی دورے کا لطف کم ہونے لگ گیا اور میں واپس گھر آ گیا اب میں پھر سے اپنے گھٹن زدہ کمرے میں بند ہوں شام کے پر لطف نظارے ابھی تک میرے ذہن سے محو نہیں ہوئے لیکن اب کچھ ناپسندیدہ خیالات اور وسوسوں نے مجھے اپنے

گھیرے میں لینا شروع کر دیا ہے مثال کے طور پر مجھے اس خیال نے پریشان کیا ہوا ہے کہ اگر اندھیرے میں کسی کھلے گٹر میں گر کر مجھے کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا حالانکہ اس طرح کا خیال کسی عقل والے کو نہیں آسکتا واسا والوں کو تو بالکل بھی نہیں بھلا ایک شہری کا گٹر کے اندر کیا کام اور میں اکیلا ہی کیا شہر کا شہر ہی آج تو اس تفریحی سفر پر نکلا ہو گا یوں بھی سیر و تفریح میں اگر تھوڑا بہت خطرہ نہ ہو تو لطف کیسا مگر میں شاید ایک خشک انسان کا روپ دھار چکا ہوں اور مجھے تفریح راس ہی نہیں میری احسان فراموشی کی حد ہے کہ میں سرکار کے فرض شناس افسروں کی محنت سے جمع کئے ہوئے پانی پر بھی پانی پھیرنے کی کوشش کر رہا ہوں اس طرح کے خیالات کسی ترقی پسند انسان کے نہیں ہو سکتے ایک ایسے وقت میں جب ملک کے دریاؤں کا پانی تیزی سے کم ہوتا جا رہا ہے نکاسی ء آب کے محکمے کے انتہائی قابل اور محنتی افسروں کی بدولت شہروں کے عین وسعت میں دریاؤں کی سہولتوں کی فراہمی کسی عظیم کارنامے سے کم نہیں اور اس پر شہریوں کی خوشی کا عالم کیا ہو گا اس کا تصور بھی محال ہے شہری چاہیں تو نہائیں اور چاہیں تو اس پانی کو پینے کے لئے استعمال کریں اس پانی میں گٹروں کے پانی کی خوشبو رنگ اور ذائقہ بھی سونے پر سہاگے کی طرح ہے عام شہریوں کو ویسے پہلے بھی صاف پانی پینے کی کب عادت ہے شہروں میں دریا بننے سے کشتیوں کا کاروبار بھی خوب چمک سکتا ہے اور بے روزگار نوجوانوں کو ملاح کی نوکریاں ملنے کے امکانات بھی روشن ہیں پانی کی گلیوں اور سڑکوں پر بلا تعطل فراہمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بطخیں پال کر ان بطخوں سے ترسیلات و بار برداری کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور ان کے انڈے بھی الگ کام آئیں گے

مگر یہ سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی مری بزدل و ناشکری طبیعت کو عیش و عشرت والی ایسی زندگی قبول نہیں سو میرے جیسے انسان کو تو کسی صحرا میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ آنا چاہئے پانی دیکھنے کو بھی نہیں ملے گا تو خود ہی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔

ہم سب سچے پاکستانی ہیں

کوئی مانے یا نہ مانے مگر بھئی اپنا تو یقین ہے کہ ہم سب سچے پاکستانی ہیں، اپنے ملک سے بے پناہ محبت کرنے والے ، رات دن اپنے وطن کے عشق میں مبتلا اور اسکے وقار میں اضافہ کرنے کیلئے فکرمند.....اب کسی امریکہ یا بھارت نواز بندے یا بندی کو ہماری یہ بات بے وزنی لگے تو لگے .....ہمیں کوئی فرق نہیں پڑنے والا، ہم تو ویسے بھی بڑے مضبوط اور توانا اعصاب کے مالک واقع ہوئے ہیں دنیا ہمارے بارے میں اچھا سوچتی ہے کہ برا یا سرے سے سوچتی بھی ہے کہ نہیں ہمیں اسکی پرواہ نہیں ہے، اپنی مٹی سے محبت ہماری رگ وپے میں رچی بسی ہوئی ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کی جانب توجہ دینا اور انہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں ہمیں بھلا اس سے کیا کہ دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی ہے ہماری بلا سے جو جہاں مرضی جائے ہم تو اپنی جگہ سے ہلنے والے نہیں اور کیا حرکت کے لئے آگے جانا ہی ضروری ہے، حرکت تو پیچھے بھی ہو سکتی ہے سو ہم آگے کی بجائے پیچھے جانے میں ہی راضی ہیں ہم اپنی آنے والی نسلوں کے ساتھ انتہائی مخلص ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے حصول پاکستان کی خاطر ہمارے بزرگوں کی دی ہوئی قربانیوں کو یاد کرکے افسردہ نہ ہوں اور اس بور کرنے والے موضوع کی وجہ سے ان کا موڈ خراب نہ ہو، اس لئے ہم نے انہیں یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ

پاکستان کیوں بنایا گیا تھا بم دھماکوں، خود کش حملوں کی دھن پر رقص کرتے ہوئے اور کیبل و انٹرنیٹ کی دنیا میں کھوئے یا دوسرے لفظوں میں سوئے ہوئے پاکستانی نوجوانوں کی نیند میں خلل ڈالنا اور انہیں خوامخواہ ڈسٹرب کرنا بھلا کہاں کی دانشمندی ہے سو جس طرح تمام دوائیں بچوں کی پہنچ سے دور رکھنا ضروری ہوتی ہیں ہم نے پوری کی پوری تاریخ پاکستان اپنے بچوں کی پہنچ سے دور رکھی ہوئی ہے اور اپنے اس مقصد میں اتنے کامیاب ہیں کہ ہمارے نوجوان اس فضول ٹاپک پہ کسی کے ساتھ بحث تو درکنار دو لفظ بھی کہنے کے قابل نہیں ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہماری کاوشوں کے نتیجے میں ہماری نئی نسل کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ پاکستان سو فیصد اسلام کے نام پر بنا تھا اور قائد اعظمؒ کا مقصد ایک اسلامی فلاحی ریاست کا حصول تھا ان پرانے قصوں میں بھلا کیا پڑا ہے کیا ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ ہم یہ کھوج لگاتے رہیں کہ نظریہء پاکستان کیا تھا پاکستان بنے اب بہت مدت بیت گئی سو ان کہانیوں کو بھول جانا چاہئے اور ہم نے ایسا ہی کیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے ہر فکر اور غم سے آزاد ہو کر صرف اپنی تعلیم بھرپور توجہ دیں سو ان کے لئے ہم نے بہت ہی رنگا رنگ قسم کا نصاب بنا رکھا ہے اور میرٹ کو مد نظر رکھتے ہوئے غریبوں کو انکی بساط اوقات)اور امیروں کو انکی دولت کے حساب سے تعلیم دی جا رہی ہے انصاف کا یہ عالم ہے دولتمندوں کے بچے جہاں زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں مفلسوں، مجبوروں، کسانوں اور مزدوروں کے بچوں کو ان اداروں کے

پاس پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور جہاں غریب کا بچہ علم حاصل کرنے کے نام پر ماسٹروں کی ٹانگیں دبانے، انکے گھروں کے سودا سلف ڈھونے اور غلیظ گالیاں کھانے جاتا ہے وہاں سے امراء اور انکے بچے کبھی گذر کر بھی نہیں دیکھتے، ہم ایک صحتمند قوم ہیں اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق قوم کو طرح طرح کی ملاوٹ سے بھرپور خوراک فراہم کر رہے ہیں سرخ مرچوں میں فولادی خصوصیت شامل کرنے کے لئے اینٹوں کو بھی پیس کر شامل کرنے میں بھی ہم نہیں ہچکچاتے ، کوکنگ آئل اور گھی میں جانوروں کی چربی پگھلا کر شامل کرنا ہماری جانوروں سے محبت اور عقیدت کا ثبوت ہے آخر یہ جانور بھی تو ہمارے ہم وطن ہوئے نا.....دین اسلام کے شیدائیوں کے ملک میں ایک لیٹر خالص دودھ حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے، ہمارے ڈاکٹر انتہائی پروفیشنل اور انسان دوست ہیں بس کبھی کبھار تنخواہوں اور دیگر مراعات کا معاملہ آجائے توہڑتال وغیرہ کر لیتے ہیں اور اس دوران اگر ایک آدھ بندہ انکے سامنے پھڑک جائے تو قصور ڈاکٹروں کا تو نہ ہوا بس مرنے والے کی زندگی ہی اتنی لکھی تھی، ہمارے تو پرائمری پاس عطائی ڈاکٹر بھی تحقیق اور تجربے میں کسی سے کم نہیں انسانوں کو جلد آرام پہنچانے کے لئے ڈھور ڈنگروں کو لگائے جانے والے انجیکشن سے انکا علاج کوئی اور کر کے تو دکھائے، ہمارے وکلا حضرات جنہوں نے عدلیہ کی آزادی کے لئے لازوال کردار ادا کیا طبیعت کو کوئی بات ناگوار گزرے تو اب بھری عدالت میں ججز کے ساتھ جوڈو کراٹے بھی کر لیتے ہیں کیونکہ عدلیہ اب

آزاد ہے تو وکلاء بھی آزاد ہیں، ہمارے صحافی بھائی ہر روز برائیوں کے خاتمے کے پختہ ارادے لے کر گھروں سے نکلتے ہیں مگر برائیاں ڈھونڈ کر انہیں نظر انداز کرنے کی قیمت وصول کرکے واپس لوٹ جاتے ہیں، حکومت سے تو بیروزگاری ختم ہوتی نہیں پھر اپنے بیروزگار ہونے کے خدشات کو ختم کرنے کے لئے چھوٹی موٹی بلیک میلنگ کا سہارا لینے میں کیا مضائقہ ہے، ہمارے علمائے کرام اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے کا درس دے دے کر گلے خراب کر لیتے ہیں لیکن تفرقے میں نہ پڑنے کے حکم ربی کو خود پر نافذ کرنا انہیں کسی طور گوارا نہیں چنانچہ جب ایک ہی گلی محلے میں بیک وقت اپنے اپنے انداز میں اذانوں کا آغاز ہوتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ مختلف مسالک کے درمیان اذانوں کا کوئی مقابلہ شروع ہو گیا ہے اور کسی ایک پر دوسرے کی اذان کا احترام لازم نہیں، مولوی حضرات دین کی محنت اور تحقیق سے غافل ہو کر پراپرٹیاں بنانے اور ایک دوسرے کی مسجد کے نمازیوں کو گھیرنے پر ساری توجہ مرکوز کر لیں تو ایسا ہی ہوتا ہے، حلال وحرام کے بارے میں وعظ کرنے والوں نے چندہ اکٹھا کرتے وقت کبھی کسی صاحب ثروت سے استفسار نہیں کیا کہ بھائی آپ کی کمائی حلال بھی ہے کہ نہیں، ہمارے سیاستدان ہر روز موسم کی رپورٹ دیکھ کر اسکے مطابق اپنی ترجیحات اور سمت کا تعین کرتے ہیں وعدہ کرکے مکرنے اور قلابازیوں میں اسقدر ماہر ہیں کہ کچھ پتا نہیں چلتا کب اپنے ہی غلط کہے ہوئے کو صحیح اور صحیح کہے کو غلط ثابت کرنے میں جت جائیں، بے یقینی کا یہ عالم ہے کہ سمجھ نہیں آتی کون کس کا کب تک

دوست ہوگااور کب دشمن کا درجہ پالے گا،ہماری بیوروکریسی کو عوام کے نام سے ہی نفرت ہے اس لئے سرکار کے دفتروں میں عوام نامی جانوروں کا داخلہ بالکل ممنوع ہے،صنعتکار میں آگے بڑھنے کے جذبے کا سمندر موجزن ہے سو وہ پورے ملک کے حصے کی گیس اور بجلی صرف اپنی فیکٹری میں پھونک کر راتوں رات ترقی کرنا چاہتا ہے اور مزدور ہڈ حرامی کے سارے طریقے آزما کر بھی اپنی تنخواہ کو نہ صرف حلال کی کمائی سمجھتا ہے بلکہ اس میں اضافے کے مطالبے سے کسی دور میں بھی دستبردار نہیں ہوا،پولیس میں ممی ڈیڈی افسران کے آنے کے بعد فوٹو سیشن کا رواج نکتہ ء عروج پر ہے،دو چار گلی سڑی پرانی بندوقیں اور ڈھائی درجن زنگ آلود گولیاں اور کچھ خول خواہ وہ اپنے ہی تھانے کے کسی بوسیدہ بکسے ہی سے کیوں نہ برآمد کئے گئے ہوں میز پر سجا کر فلاں فلاں گینگ کی گرفتاری کا ڈھونگ رچا کر کمال شان سے پریس کانفرنس کرنا ہماری پولیس کا ہی خاصہ ہے،تھانوں میں بیٹھے تفتیشی جادوگر اپنے منتر سے بے گناہ کو گناہ گار اور شتہاری کو معصوم بنانے کا کھیل کھیل رہے ہیں،،گلیوں بازاروں میں دن دیہاڑے شہری لٹ رہے ہیں مگر شرم کسی پولیس افسر کو چھو کر بھی نہیں گزرتی،دفاعی ادارے اتنے چاک وچوبند کہ سیاستدانوں کی چھینکوں تک کی رپورٹ انکے پاس موجود ہوتی ہے مگر ایبٹ آباد میں اسامہ کی موجودگی اور دوست ملک کے حملے سے قطعی لاعلم رہتے ہیں،ملک بچانے کے نام پر 11،11 سال اقتدار کی موج مستی لیکن مشرقی پاکستان کی علیحدگی سمیت کسی بھی محاذ پر ناکامی کی ذمہ داری اپنے کھاتے میں ڈالنے

پر رضا مند نہیں، ہمارے پاس ایٹم بم موجود ہے مگر اسے چلانا تو درکنار ہم کسی کو اس سے دھمکانے کے قابل بھی نہیں ، ہمارے کھلاڑی میچ کی ہار جیت کی بجائے اب ہر بال پہ سٹہ لگانے کا ہنر سیکھ چکے ہیں اور اسکی بدولت دنیا میں ملک کا نام روشن کر رہے ہیں، ہمارا ملک غیروں کا مقروض مگر ہماری ارب پتی ایلیٹ کلاس نے کبھی ملک کو ان قرضوں سے نجات دلانے کا تذکرہ بھی اپنی زبان پر لانے کی جسارت نہیں کی سو بیرون ملک پڑے ڈالرز اور پاؤنڈز ہماری تنگدستی اور بے بسی کا منہ چڑا رہے ہیں، توانائی کے بحران نے گھر کے برتن بیچ کر یوٹیلیٹی بل ادا کرنے والے غریب کا چولہا اور پنکھا تو بند کر دیا لیکن کروڑوں کی بجلی و گیس چوری کرنے والے با اثر چوروں کا چولہا اور اے سی جوں کا توں چل رہا ہے ، رشوت لینے والا رشوت کی کمائی کو اپنا حق سمجھتا ہے اور رشوت دینے والے کے نزدیک کام کرانے کے لئے اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں، ہم اپنی روز مرہ کی زندگی میں بکثرت جھوٹ بولتے ہیں، ہم کم تولنے کو اپنا فن کہتے ہیں، ہم نے غیبت کو وقت گزاری کے مشغلے اور فیشن کے طور پر اپنا رکھا ہے، ہم تماشہ بھی خود اور تماشائی بھی خود ہیں، گلستاں کی ہر شاخ پہ الوؤں کا جمگھٹا لگا ہوا ہے، آگ سے سارا چمن جل رہا ہے اور ہمارے اندر براہیمؑ کا ایماں پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں نظر آ رہا، ہمیں ندامت نہیں کہ ہم نے قائدؒ کے پاکستان کو دولخت کیا اور باقی ماندہ ملک کا بھی حشر نشر کر دیا، ہم انسانوں کی فلاح کی بجائے اس ملک کو بے گناہوں اور معصوموں کی

قتل گاہ بنا کر مطمئن ہیں، ہمارے کانوں کو دھماکے دار موسیقی سننے کی عادت پڑ گئی ہے
سو ہم ہر روز ہم وطنوں کے پرخچے اڑتے دیکھتے ہیں اور پھر سکون کی نیند سو جاتے ہیں
کیونکہ۔۔۔ہم سب سچے پاکستانی ہیں۔

دل کو ہر طرح سے برباد کیا ہے میں نے

ایک اخباری خبر کے مطابق نیائیں چوک میں ایک ہزار روپے چالان ہونے پر چاند گاڑی کے ڈرائیور عقیل نے اپنی چاندگاڑی کو آگ لگا کر تباہ کر ڈالا

تو نے تو ایک ہی صدمے سے کیا تھا دوچار
دل کو ہر طرح سے برباد کیا ہے میں نے

عقیل کے احتجاج اور خود کو مکمل برباد کرنے کے فیصلے میں ہمارے بے حس معاشرے کی چیختی اور روتی بلکتی ہوئی تصویر موجود ہے ہر روز خبریں بنتی ،چھپتی اور پھر ردی کی نذر ہوجاتی ہیں،اس نے عزت نفس تو اس دن ہی نیلام کر دی تھی جب سارا دن جھڑکیاں اور وارڈنوں سے غلیظ گالیاں سننے کے لئے چاند گاڑی چلانے کا فیصلہ کیا تھا، یہ معلوم نہیں کہ چاند گاڑی اسکی اپنی تھی یا ابھی واجب الادا قسطوں کا بوجھ بھی ساتھ ہی لئے پھرتی تھی لیکن اتنا یقین ہے کہ یہ اسکا پہلا چالان نہیں ہوگا،دن بھر دس دس روپے کے عوض سواریاں کھینچنے والے رزق حلال کمانے والے نے اس پہلے کئی چالان بھرے ہوں گے اور کئی دفعہ وارڈنوں کی جیبیں بھی، اس دن جب اس نے چاند گاڑی کا بوجھ ہمیشہ کے لئے اتار دیا کون اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی بجائے سرکار کا ازل سے خالی کھوہ بھرنے

کے لئے سارا دن سڑکوں پر مشقت کرے اس فیصلے سے قبل اس نے وارڈن کی منتیں کی ہوں گی، ہزار روپے چالان کے تو تصور نے ہی دیہاڑی دار محنت کش کی روح کو لرزا دیا ہوگا، اس نے ہاتھ جوڑے اور ترلے کئے ہوں گے اسی طرح جیسے ایک طالبہ کی والدہ نے امتحانی سنٹر میں دیر سے پہنچنے پر اندر داخل ہونے سے محروم کردی گئی اپنی بچی کے لئے منت سماجت کی تھی مگر صاحب کو اپنے آدرش اس طالبہ کے مستقبل سے زیادہ عزیز تھے ہاں البتہ وہ طالبہ عزت نفس کی دولت سے ضرور مالا مال تھی جس نے اپنی ماں کو اس بت نما افسر کے پاؤں چھونے سے منع کر دیا تھا، ایک طرف پورا ملک لاقانونیت کا گڑھ بنا ہوا ہے مگر تجاوزات، ٹریفک قوانین اور وقت کی پابندی کے نام پر مجبور، لاچار بے بس غریبوں کی درگت بنائی جارہی ہے، پولیس کی میرٹ پر بھرتیوں کی داستان بھی کم بھیانک نہیں ہے جہاں امیدواروں کی امیدوں کے چراغ گل کرنے کے لئے انہیں جانوروں سے بھی بدتر انداز میں بھگایا گیا وقت سے پہلے رسہ کھینچا اور سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان ایک دوسرے سے ٹکرانے اور گرنے سے زخمی ہوئے، ریس سے پہلے چاک و چوبند نظر آنے نوجوانوں کا اس سعی لاحاصل کے بعد یہ حال تھا کہ کسی کے ہونٹ بری طرح لہو لہان تھے اور کسی کی ٹانگیں زخموں سے چور چور تھیں

پھر بیروزگاری کے ماروں کے چوٹوں سے سوجھے منہ سے بددعاؤں کے سوا کیا نکل سکتا تھا، میرٹ والی بھرتیوں کا یہ عالم ہے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ ملک میں ظلم کم نہیں ہو رہا مسلسل بڑھ رہا ہے سو فساد بھی اسی تناسب سے اپنی جڑیں پھیلاتا

جا رہا ہے، امن اور انتہا کا ظلم ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے ظلم بند کریں تو امن خود چل کر آپ کے پاس آ جائے گا، غریبوں بھوک اور افلاس کے ماروں اور مفلسوں کی تقدیر کے فیصلے دولت والوں اور سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہونے والوں کے ہاتھ سے لکھے جا رہے ہیں تو ان سے کیا توقع باندھی جا سکتی ہے، نتیجہ خوفناک شکل لئے اور غریبوں پر ہر روز قیامت بن کر ٹوٹ رہا ہے مہنگائی نے خوشیوں کے قاتل کا روپ دھار لیا ہے، لوگ جائز بل دینے پر راضی مگر سرکار کا اوور بلنگ کے بغیر گذارہ نہیں سو لوگ آٹے روٹیوں کے پیسے بھاری بلوں کی شکل میں دینے پر مجبور ہیں زندگی جبر مسلسل بنی ہوئی ہے اور جرم کا بھی کوئی تعین نہیں ہو پا رہا، جن کے بارے میں چور چور کا شور تھا انکی استقامت اور جمہوریت کے لئے قربانی کو سلامیاں پیش کی گئی ہیں، خدارا ہمیں خوفناک جھٹکے دینے والے صدمے تو نہ دیں

یہ غم نہ دے کہ مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا
پھر دل کسی بھی دل سے لگایا نہ جائے گا

اس تبدیلی پر کس کے نام کا بین کریں تدبیر اور تقدیر دونوں ششدر کھڑی ہیں
تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھ جاتی ہیں

بہت سنتے تھے شور پہلو میں دل کا

ایک گلہری اور طوطے کی دوستی ہو گئی طوطے نے جھٹ سے ہی گلہری کی دعوت کر ڈالی اور گلہری کی خاطر مدارت کے لئے سارا دن کھپ کے جنگل میں دستیاب پھلوں کا ڈھیر جمع کر لیا گلہری طوطے کی مہمان نوازی دیکھ کر پھولے نہیں سمائی اور خوب مزے سے دعوت اڑانے کے بعد جاتے جاتے طوطے کو بھی اپنے ہاں آنے کا کہہ کر گئی، دعوت کے دن طوطا خوب بن ٹھن کے گلہری کے گھر پہنچا گلہری نے والہانہ انداز میں طوطے کو خوش آمدید کہا اور بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گئی، وہ کبھی درخت کے اوپر جاتی تو کبھی نیچے کبھی دائیں تو کبھی بائیں، اچھلتی کودتی بھاگتی پھرتی گلہری پہ طوطے کو بہت پیار آ رہا تھا اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ گلہری اسکے لئے آج کھانے پینے کا کوئی بہت ہی خاص انتظام کر رہی ہو گی، اسی طرح انتظار کرتے کرتے بہت سا وقت گزر گیا مگر گلہری اسکے کھانے کے لئے کچھ بھی لے کر نہ آئی یہاں تک کے گھر سے خالی پیٹ آنے والے طوطے کے پیٹ میں بھوک کے مارے درد ہونے لگا، جب اسکی حالت بگڑنے لگی تو اس نے گلہری کو آوازیں دینا شروع کیں کچھ ہی دیر میں ہنستی مسکراتی گلہری ایک ادائے دلبرانہ کے ساتھ طوطے کے پاس آ کر بیٹھ گئی، طوطے سے رہا نہ گیا اور خفگی سے کہنے لگا گلہری اب مجھے کچھ کھلاؤ گی بھی کہ نہیں گلہری

کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی طوطے ڈیئر چھوڑو یہ کھانے پینے کی باتیں تم آج بس میری آنیاں جانیاں دیکھو۔

مئی کو پاکستان کے عوام نے بھی مسلم لیگ ن کے ساتھ دوستی کے سچے اور کھرے 11 رشتے کی نئی بنیاد رکھی تھی یہ رشتہ اعتماد خلوص اور احساس کا رشتہ تھا میاں نواز شریف نے قوم کو لوڈشیڈنگ، غربت مہنگائی، بیروزگاری اور بدامنی سے نجات دلانے کا عہد کیا تو 11 مئی کو اندھیروں میں ڈوبی ہوئی قوم نے ان پر اعتبار کیا اور اپنی محبتیں ووٹ کی صورت میں مسلم لیگ ن پر نچھاور کردیں، ملک میں مسلم لیگ ن کی حکومت قائم ہو گئی وہ بھی اس اکثریت سے کہ کسی اور جماعت کے پاس مسلم لیگ ن کو بلیک میل کرنے کا بھی موقع نہ تھا، وعدے نبھانے اور عوام کی محبت کا جواب اس سے بھی زیادہ پیار سے دینے کی باری اب مسلم لیگ ن کی تھی لیکن خواجہ آصف کی جانب سے لوڈشیڈنگ کے خاتمے سے صاف ہی مکر جانے سے لے کر اسحاق ڈار کی عوام کش چکر بازیوں نے دو چار سال میں نہیں دو تین ماہ میں ہی عوام کو وہ ہاتھ دکھائے ہیں کہ مسلم لیگ ن کو اب کسی اپوزیشن کی حاجت باقی نہیں رہی، عوام حکمرانواں کی چین، ترکی، امریکہ اور دیگر ملکوں میں آنیاں جانیاں تو دیکھ رہی ہے لیکن ان کا نتیجہ عوام کے لئے ناقابل برداشت حد تک بڑھائی جانے والی مہنگائی اور انکی کی طاقت سے سینکڑوں گنا بھاری بھرکم یوٹیلیٹی بلوں کی صورت میں سامنے آرہا ہے بجلی اور

پیٹرول کے مسلسل بڑھتے ہوئے نرخوں کی وجہ سے مہنگائی کا وہ طوفان آیا ہے کہ جسکی عوام کو کم از کم اس حکومت سے توقع نہیں تھی اوور بلنگ نے عوام کے اور بھی کڑاکے نکال کر رکھ دیئے ہیں مرے ہو وؤں کو مارنے کی یہ پالیسی مسلم لیگ ن کی قیادت کی ہے یا ڈار صاحب کی اپنی اس کا فیصلہ تو وقت جلد یا بدیر ہو ہی جائے گا البتہ نواز شریف نے جلاوطنی کے 7 سالوں سمیت طویل عرصے تک اسحاق ڈار سے انکے اقتصادی پلان اور پالیسیوں کی بہت سی کہانیاں سن رکھی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ بڑے اعتماد اور وثوق سے اقتدار میں آنے کے بعد ملک کی قتصادی حالت بدلنے کے دعوے کرتے نہیں تھکتے تھے لیکن حکومت میں آتے ہی ڈار سرکار کی نام نہاد کرشماتی صلاحیتیں اور سارے کرتب بری طرح سے ٹھس ہوگئے ہیں.

بہت سنتے تھے شور پہلو میں دل کا
جو چیرا ایک قطرہ خوں نہ نکلا

اس سے کم نصیبی اور کیا ہو گی کہ اسحاق ڈار کی پٹاری سے باہر آنے والے ہر سانپ کا رخ بے بس اور لاچار عوام کی جانب ہے، مسلم لیگ ن کے کارکنوں کا حال بھی کم برا نہیں ہے جس طرف جائیں غصے سے بھرے عوام شیر پر چڑھ دوڑنے کو پھرتے ہیں، ڈار صاحب کی کرم نوازیاں کم نہ ہوئیں تو کچھ بعید نہیں کہ لیگی کارکنوں کی حالت بھی پیپلز پارٹی کے جیالوں جیسی ہو جائے جنہیں آصف زرداری کے عظیم کرپٹ سیاسی فلسفے کی بھاری قیمت کچھ اس طرح چکانی پڑی تھی کہ

انتخابی مہم میں عوام کو منہ دکھانے لائق بھی نہیں رہے تھے، میاں نواز شریف ایک بار پھر دوراہے پر کھڑے ہیں، ایک طرف روتے سسکتے بلکتے ہوئے عوام ہیں جو سرتا پا زخم زخم ہیں اور دوسری جانب معیشت دانوں کے روپ میں اعداد و شمار کے جادوگر ہیں جن کو عوام کی مشکلات سے کوئی سروکار نہیں یہ لوگ اپنی چرب زبانی سے اگلے پانچ سال میں ملک کو اقتصادی قوت بنانے کے خواب دکھا کر نواز شریف کو بے وقوف بنا رہے ہیں ان کو قطعی احساس نہیں کہ غریب عوام ایک وقت کی روٹی کے لئے ترس رہے ہیں اور 15 سال کے جبر مسلسل کے بعد کچھ نہ کچھ ریلیف کے حقدار تھے۔ 99ء میں بھی نواز حکومت کی برطرفی کی نوبت لانے میں خود کو آسمانی مخلوق سمجھنے والے نواز شریف کے چار پانچ قریبی رفقاء ہی کا ہاتھ تھا آج بھی قریب ترین لوگوں میں کوئی عوام دوست شخص نظر نہیں آتا حکومت کتنی بھی پائیدار اور مضبوط کیوں نہ ہو اسے ایک دن ختم ہونا ہے، نواز شریف کو عوام کی فریاد اور ان ساحروں کے میٹھے سروں میں سے کسی ایک آواز پر کان دھرنے ہیں اور اس فیصلے لئے انکے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہے، وہ نہ بھولیں کہ حکمرانی انہیں خدا کے بعد اس ملک کے عوام نے دی ہے اور عوام نے اس بار انہیں پورا موقع دینے کی نیت سے وزیر اعظم چنا ہے اب اگر وہ خود ہی عوام کی آہ سے نہ بچنا چاہیں تو پھر انکی مرضی۔۔۔۔۔۔۔۔

ظلم کے یہ ضابطے

گوجرانوالہ شہر میں قانون نے پھر انگڑائی لی ہے چھابڑی والوں پر وہی قانون اور ضابطے قہر بن کر ٹوٹ پڑے ہیں جو نہ جانے کون کون سی انتظامیہ کو مہینہ ادا کرتے رہنے کے باعث اب تک گہری نیند میں سوئے ہوئے تھے اب کسی مروڑ یا درد کی طرح جاگے ہیں تو سارا زور انہی غریبوں کی ریڑھیاں ہٹانے پہ صرف ہو رہا ہے جو بظاہر تو ریڑھیاں کھینچتے پھر رہے ہیں لیکن دراصل منہ زور مہنگائی کے اس دور میں دن بھر کی مشقت سے اپنے گھر کی گاڑی گھسیٹتے ہیں اور ان لوگوں کا یہ واحد ذریعہ معاش ہے، کوئی اوپر کی کمائی نہ کوئی اور آس امید، بڑی بڑی ورکشاپس نے جی ٹی روڈ کے ساتھ سروس روڈز کو ایک مدت تک ذاتی جاگیر بنائے رکھا مگر یہی انتظامیہ تھی کہ جس نے آنکھیں میچی ہوئی تھیں، اب اچانک قانون کی آنکھ کھلی ہے تو بلا امتیاز کارروائی کی آڑ میں ان بے بس اور لاچاروں کو بری طرح رگڑا لگا دیا ہے جو کسی دوکان کے آگے یا سڑک کنارے عارضی چھابڑی قائم کرتے ہیں رزق حلال کماتے ہیں اور اس حلال رزق کے لقموں کی خاطر بہت سوں کو حرام کھلانے پر مجبور ہوتے ہیں، کس کس بھیس میں کون کون ان سے بھتہ لینے پہنچ جاتا ہے کچھ نہ پوچھیں، سرکار کے پاس ذاتی ڈاکوؤں کی کیا کمی ہے، محکموں کو لوٹنے کے لئے ان کے اوپر کئی کئی محکمے قائم ہیں

نیچے سے اوپر تک سرکاری جیب کتروں کی ایک لائن لگی ہوئی ہے یہ عوام کی جیبیں انہی، قوانین اور ضابطوں کے نام پر کاٹتے ہیں جو رشوت کی ادائیگی کے بعد موقع پر ہی غیر فعال ہو جاتے ہیں پاکستان میں یوں بھی اس شخص سے بد نصیب کوئی نہیں جو غریب ہے یا پھر جسکا سرکاری دفتر سے پالا پڑ گیا ہو ان دفتروں میں بیٹھے ہوئے گدھ عوام کو نوچنے کے لئے صبح گھر سے نکلتے ہیں اور شام کو حرام کی کمائی سے نوٹوں کا بورا بھر کر لے جاتے ہیں مگر کوئی ضابطہ کوئی قانون انہیں نہیں پکڑتا، تھانوں میں مصالحتی کمیٹیوں کے نام پر ٹاؤٹوں کا گروہ خود پولیس تشکیل دیتی ہے جس نے ایس ایچ او، سب انسپکٹر اور تفتیشی کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ بھی بٹورنا ہے، سو رشوت کے دام بھی بڑھتے ہیں اور ملزم کے ساتھ ساتھ مدعی پر بھی اس ضابطے کے مطابق رشوت دینی لازم ہو جاتی ہے مگر کچھ سرکاری افسران رحم دل بھی ہوتے ہیں یہ بعض لوگوں کے کام صرف ایک کھانا کھلانے کے عوض بھی کر دیتے ہیں، بنیادی طور پر ان کا شمار چٹورے افسروں میں ہوتا ہے اور کھانے کے نام پر انکی رال ٹپک جاتی ہے، کچھ نہ لینے سے ویسے بھی کچھ لے لینا ہی اچھا ہوتا ہے، مفت میں اب کون غریب لوگوں کے کام کرتا پھرے، گوجرانوالہ میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز شخصیت جو آج کل اپنے عہدے سے محروم ہو چکی ہے اس حوالے سے اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی، شاید ہی ایسی کوئی ڈش ہو جو انہوں نے کسی نہ کسی کو گھیر کر نہ کھائی ہو ہر طرف مسائل کے بھنور میں غوطے کھانے والوں کی بہتات ہے سو کوئی نہ کوئی انکے دام

میں پھنس ہی جایا کرتا تھا سنا ہے موصوف سالم بکرا بھی ہڑپ کر جایا کرتے تھے، سائلوں سے کھابے کھانا جیسے انہوں نے ضابطہ ہی تو بنا رکھا تھا، ایک ایسی ہی باغ و بہار شخصیت جنہوں نے بظاہر تو مذہب کی بکل ماری ہوئی ہے ہے لیکن ٹھیکیداری میں بھی بہت نام کمار کھا ہے اور اس سے بھی زیادہ تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے انتظامیہ کوئی بھی ہو وہ اسکی آنکھوں کا تارا بنے رہتے ہیں، حکومت ق لیگ کی ہو یا ن لیگ کی، ان کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا سرکاری افسر آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ان صاحب کا مستقل ٹھکانہ ڈی سی او آفس، اے سی صاحبان اور دیگر افسران کے دفاتر ہیں اور جناب جب صاحب کے ساتھ محو استراحت ہوں تو کسی آلتو فالتو بندے کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی، ٹاؤٹوں اور غریب غرباء عوام کے لئے سرکار کے الگ الگ قوانین اور ضابطے ہیں کاش کوئی ضابطہ ایسا بھی بنے کہ عوام کو دھتکارنے والے افسران موصوف جیسے بہروپیوں اور ہتھیاروں کو بھی باہر سے ہی فارغ کرنے کی جسارت کر سکیں، اہل سیاست میں بھی اپنے مطلب کے ضابطے رکھنے والوں کی کیا ہی بات ہے، چند روز پہلے ووٹرز کی خاطر جان تک قربان کر دینے کی باتیں کرنے والے بلدیاتی امیدوار الیکشن ملتوی ہونے کے بعد اب ایکدم عوام سے پردہ کرنے لگے ہیں، الیکشن آفس بند ہو چکے اور چائے مٹھائی کھلانے والے اب کسی کو سادہ پانی پوچھنے کو تیار نہیں ہیں، موسمی امیدواروں کا یہ چلن عوام کو ذہن نشین کر لینا چاہئے اور وقت آنے پر اپنے رویے سے اسکا مناسب جواب ضرور دینا

چاہیے، عوام سے زیادہ بہتر جوابدہی کوئی کر بھی نہیں سکتا لیکن ہم میں ایسوں کی بھی کمی نہیں جنہوں نے بعض شعبہ ہائے زندگی کو مقدس گائے قرار دے کر اپنا الگ ہی ضابطہ بنا رکھا ہے، فلاں پہ تنقید ہو سکتی ہے اور فلاں پر نہیں، بھئی یہ کون سا اور کہاں کا ضابطہ ہے، تنقید کریں مگر سہنے کا حوصلہ بھی پیدا کریں مشرف پر غداری کے مقدمہ کو فوج کے ساتھ محاذ آرائی قرار دینے اور ریاست بچائیں یا دستور کی انوکھی منطق کے موجد بھی کیا کچھ کم ہیں یا پھر اپنے اظہار کی آزادیوں کی خاطر کٹ مرنے کو تیار صحافی بھائی جنہیں اپنے حقوق کا تو بہت خیال ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ انہیں دوسروں کو بھی اپنا نکتہ ء نظر بیان کرنے کا مکمل حق دینا چاہئے صحافیوں کے بارے میں عام رائے ہے کہ کوئی ان کا محاسبہ نہیں کر سکتا حکومتیں بھی ان کے دباؤ میں ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں تنقید سننے کی عادت نہیں رہی کیا ہی اچھا ہو کہ اہل صحافت اس منفی رائے کو بدلنے کے لئے پرانے ضابطوں سے نجات حاصل کر کے خود اپنے لئے ضابطے وضع کر لیں اور اپنا محاسبہ خود کریں، مکمل آزادی کے ساتھ اپنا کام کریں اور دوسروں کو بھی انکے اظہار رائے کے حق سے محروم نہ کریں بھلا ہو تو سب کا خیر ہو تو سب کی۔

میڈیا پر حب الوطنی کے قومی مقابلے

مشرف کے خلاف غداری کیس پر پیچ و تاب کھانے اور ٹی وی پر بیٹھ کر غرانے والے بعض ''کن ٹٹے'' (یہاں مراد سرکش) لینکرز اور تجزیہ کار اب حیات و موت کی جنگ میں موت کو شکست دینے والے صحافی ،اسکے بھائی اور ایک بڑے نجی نشریاتی ادارے پر یوں چڑھ دوڑے ہیں جیسے '' کاٹنے ''کو تیار ہی تو بیٹھے تھے اور ساتھ ہی ساتھ پورے جمہوری نظام کو بھی ڈرا رہے ہیں، ملک میں کسی بھی نوعیت کا کوئی بھی واقعہ ہو جائے ، ان حضرات کے نزدیک آن کی آن میں جمہوریت خطرے میں پڑ جاتی ہے ، ٹی وی ٹاک شوز کے نام پر ''نوٹنکی'' کرنے والے درجہ بندی کے دیوانے ان '' جدید مراثیوں'' کو پرواہ نہیں ہوتی کہ ان کے اس فعل سے ملک کا کس قدر نقصان ہو سکتا ہے اور اداروں کے درمیان کیسی کیسی غلط فہمیاں جنم لے سکتی ہیں مگر نہیں جناب ان عقل کے ماروں کو جنہیں یوں تو شاید اپنی خبر بھی نہیں ہوتی یہ خمار ہوتا ہے کہ دنیا جہاں کا علم انہی کے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے، جس کو بھی چھیڑ لیں ایک ہی نتیجہ سامنے آئے گا کہ ان جیسا صاحب علم نہ دنیا میں کبھی آیا ہے اور نہ آئے گا اور ان میں سے ایسوں کی بھی کمی نہیں جنہوں نے چند افراد کا نام جمہوریت اور چند کا ریاست رکھا ہوتا ہے، فلاں کو کچھ ہوا تو ریاست کو خطرہ اور

فلاں کو کچھ ہوا تو جمہوریت کو خطرہ، خطرے کے ان ''اندھے ریڈاروں'' کے مطابق دنیا جہان کے سارے خطرات نے جیسے ہمارا ہی گھر دیکھ لیا ہے، یہ لوگ انتہائی غیر تربیت یافتہ اور چلتے پھرتے ''بم'' کی طرح ہیں جن کی احتیاط اور ذمہ داری کے لفظ سے بشنا سائی تک نہیں، حامد میر پر حملہ ہوا، انکے بھائی نے ہوش کی بجائے جوش میں آ کر جذباتی رویہ اپنایا، اس کو جو اسکے بھائی نے بتا رکھا تھا اس نے بول دیا اور ٹی وی چینل نے جسے زعم تھا کہ آج تک تمام تر مخالفت کے باوجود اسکی ''امن کی آشا'' کا کسی نے کیا بگاڑ لیا ہے غلط اندازے کی بناء پر وہ سب چلا دیا جس کے نتیجے میں اب اسے سنگین غداری کے الزامات کا سامنا ہے، ثابت ہوا کہ میڈیا لاکھ دعوے کرے مگر ابھی بلوغت کی منزل تک نہیں پہنچا، واقعے پر حساس ادارے کا رد عمل حیران کن نہیں تھا، لیکن یہ کیا، دانشوروں نے تو یہ ثابت کر کے چھوڑا کہ دانش ان کو چھو کر بھی نہیں گزری، نام نہاد اور جعلی دانشوروں کے ساتھ ساتھ سارے ''سیاسی یتیم'' اور زاہدہ حنا کے الفاظ میں تو'' سیاسی بے روزگار'' ان چینلز نے اکھٹے کر کے بٹھا لئے اور پھر حب الوطنی کے قومی مقابلوں کا آغاز ہو گیا، سب سے بڑا سوال یہ بن گیا کون کس کے ساتھ ہے، حالانکہ کوئی احمق ہی ہو سکتا ہے جو اپنے ملک کے دفاعی اداروں کے ساتھ نہ ہو، ہر پاکستانی دفاع وطن کے لئے افواج پاکستان کے ساتھ ہے اور حامد میر بھی ہے، ہاں مگر اسے شکایت تھی لیکن یہ شکایت نئی تو نہ تھی وہ تو چلتے پھرتے بہت سے لوگوں کے سامنے اس کا اظہار

کرتا رہا اس لئے یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی ''تیسرے'' نے اس بات سے فائدہ لینا چاہا ہو، یہ بہت احتیاط اور فہم و فراست سے دیکھنے والا معاملہ تھا جو میڈیا کے ''بچوں'' کے ہتھے چڑھ گیا، وزیر اعظم نے جوڈیشل کمیشن قائم کرکے اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں دیر نہیں کی مگر اپنی ''وفاداریاں'' دکھانے کے لئے ''دانش کے دشمنوں'' نے ٹی وی پر سراسیمگی کی صورت حال پیدا کردی، میڈیا کا یہ اعزاز بھی کیا کم ہے کہ ان لانسکرز نے شیخ رشید جیسا بندہ جس کی کوئی ایک زبان نہیں دانشور بنا کر بٹھایا ہوتا ہے، حسن نثار کو سیاستدانوں کی مٹی پلید کرنے کی ڈیوٹی سونپنے والوں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ ان پر بھی برا وقت آسکتا ہے اور کیا کبھی ایک اورٹی وی کے مالک کو یہ احساس ہوا ہے کہ مبشر لقمان جیسے لوگ ہر روز رات کو نظام اور عوام کے ساتھ کیا کھیل کھیلتے ہیں، یہ ساری وارداتیں'' اظہار کی آزادی کے نام پر ہوتی ہیں، اپنی آزادی کی طرف کسی کی میلی'' آنکھ نہ بھی ہو تو اسے پھوڑ ڈالنے میں دیر نہیں لگاتے لیکن دوسروں کی زبان پر مہر لگانا اور انکے منہ میں اپنی زبان ڈالنا ان سب کی خواہش اور پسندیدہ مشغلہ ہے، سوشل میڈیا تو اس سے بھی کہیں بے مہار ہے، سو ہم وطنوں کا ایک دوسرے پر تبریٰ جاری ہے، البتہ کوئی لینا چاہے تو حب اوطنی کے سرٹیفیکیٹس مبشر لقمان کے پاس وافر مقدار میں دستیاب ہیں، زخمی صحافی جسکی جان لینے کی کوشش قریب قریب کامیاب ہو گئی تھی اسکی حالت اتنی پتلی ہو گئی ہے کہ مقدمے میں خود یا اس کا کوئی عزیز مدعی بننے کے قابل

نہیں رہا، حامد میر کا ادارہ اب صفائیاں پیش کرنے اور غداری کے ''الزام'' سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور قومی تاریخ بے بسی کے ساتھ ہمارا منہ تک رہی ہے، ذمہ داری کا احساس جگانا لازم اور وطن کی حفاظت کرنے والے اداروں کا وقار مقدم لیکن ٹی وی چینل کی بندش سے کوئی نیک نامی شاید ہمارے حصے میں نہ آسکے کہ ہمارے دشمن اس اقدام کو بھی ہمارے خلاف پراپیگنڈہ بنائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے، ہم وطنوں پر غداری کا الزام لگاتے ہوئے ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ ایسے ہی کچھ ہم وطن تھے جنہیں ہم غدار قرار دے کر اپنی حب الوطنی پر اتراتے پھرتے تھے اور آج وہ بنگلہ دیشیوں کے نام سے جانے جاتے ہیں، جمہوری نظام کو'' بھنبھوڑنے ''کے لئے بے تاب .برسوں کے بھوکوں نے فٹافٹ نئے سکرپٹ پہ کام شروع کر دیا ہے انکی عادتیں بدلیں نہ طور طریقے حالانکہ وطن سے محبت کا معیار اگر کوئی ہے تو فقط اتنا کہ جو جمہوریت کا دشمن وہ ملک کا دشمن اور سب سے بڑا غدار، جمہوریت چلتی رہے گی تو ادارے مضبوطی پکڑیں گے اور ہم باہمی اختلافات کو نظام کے اندر رہ کر مل بیٹھ کر بھی حل کر سکتے ہیں، ہمیں یہ یقین پیدا کرنا ہوگا کہ ہم ایک عظیم قوم اور عظیم ملک کے لئے کام کرنے والے لوگ ہیں، چند گھنٹوں کی کوئی ٹرانسمیشن ہمیں عوام کی نظروں سے گرا نہیں سکتی کیونکہ افواج پاکستان کے ساتھ محبت عوام کے خون میں رچی بسی ہوئی ہے، ہاں مگر فوج کے سیاسی کردار کی کوئی گنجائش نہیں ،ماضی کے مارشل لاؤں نے دفاعی اداروں کے اصل کام سے انکی توجہ ہٹائی اور فرد

واحد کے فیصلوں نے ملک کو اغیار کی جنگوں میں دھکیلا جس کا خمیازہ آج تک قوم بھگت رہی ہے رہی بات میڈیا کی تو اس پر پابندی کی بجائے اسے دفاعی اداروں ہی نہیں بلکہ سیاستدانوں سمیت سب کے احترام کا سبق سکھانا ہو گا اور دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی پالیسی ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ہو گی ، صد شکر کہ ملک میں آج جیسی تیسی جمہوریت موجود ہے ماضی کے سارے تجربے اور کامیابیاں اور ناکامیاں نواز شریف کے سامنے پڑی ہیں اصل امتحان بھی تو انہی کا ہے انہیں یوں بھی پانچ سال امتحانات دینے میں ہی گزارنے ہیں عوام کے بجھے چولہے جلانے اور کھویا ہوا چانن واپس لانے کے لئے اپنی ساری صلاحیت استعمال کرنی ہو گی ان کا آغاز اتنا اچھا ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ پوزیشن ہولڈر نہ بھی سہی وہ اچھے نمبروں سے ضرور پاس ہو جائیں گے ، آصف زرداری اور انکے حواری ٹولے نے عوام کا جمہوریت پر یقین انتہائی کمزور کر دیا تھا نواز شریف کی حکومت کو نیک نامی اور کامیابی کی تلاش ہے اسکے بعض وزیر جن میں خرم دستگیر خان اور خواجہ سعد رفیق سر فہرست ہیں اس کامیابی کے لئے جنون کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں اور انہیں کام کی دھن میں کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ، وزیر خزانہ اسحاق ڈار کی پٹاری سے نکلنے والے سانپوں نے اب عوام کا پیچھا چھوڑ دیا ہے اور ڈالر کو ڈس کر شیخ رشید کی پیشین گوئیوں کو منہ دکھانے لائق نہیں رہنے دیا۔ جمہوری حکومت کی یہ تگ و دو اور اس پر عوام کا اعتماد نظام کو تقویت بخش رہا ہے سو ملک میں جمہوریت پنپ رہی اور معیشت ''وینٹی لیٹر'' سے

نجات پا کر کھلی فضاء میں سانس لینے لگی ہے۔ ''سیاسی یتیموں'' کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں تو اٹھتے رہیں اسکی پرواہ ہی کس کو ہے۔

وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوا

پاکستان میں دھرنا اور احتجاج پے احتجاج جماعت اسلامی نے متعارف کروایا۔وہ دور جب ظالمو قاضیؒ آ رہا ہے اور قاضی کے دھرنوں کا ہر طرف چرچا تھا اور وہ وقت بھی گزر گیا اور جناب عمران خان کی سونامی نے سر اٹھایا اور ایسا اٹھایا کہ اس کہ ہی دھوم مچ گئی۔سونامی تیزی سے ابھرا اور ملک بھر میں تو نمایاں کارگردگی دیکھانے میں تو ناکام رہا لیکن صوبہ خیبر کی حکومت ہاتھ آئی۔بہت سے وعدے کیے تھے طلبہ یونین کی بحالی سے لیکر انتہائی سستا اور جلدی انصاف کے وعدے تو بس خواب بن کے ہی رہ گئے ۔ابھی تک صوبہ خیبر حکومت عوام کو ریلیف دینے میں ناکام رہی ہے۔خیر دیکھتے ہیں آگے آگے وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوا والی بات ہوتی ہے یا صوبہ خیبر حکومت مثالی کام کر دیکھانے میں کامیاب ہوتی ہے جماعت اسلامی جو دوسری بار صوبہ خیبر کی حکومت میں حصہ دار ہے ملک بھر میں بلدیاتی الیکشن اور طلبہ یونین کے الیکشن کے لیے احتجاج بھی کرتی نظر آتی ہے لیکن صوبہ خیبر میں طلبہ یونین کے الیکشن کروانے میں ابھی تک ناکام رہی ہے۔دوسری جانب شریف برادران نے الیکشن سے قبل چھ ماہ میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ اور مہنگائی میں نمایاں کمی کا اعلان اور وعدے کیے تھے نہ تو لوڈشیڈنگ میں کمی ہو سکی اور نہ ہی مہنگائی

میں ذرا برابر کمی ہوئی بلکہ مہنگائی میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ الیکشن سے پہلے جب سونامی اور شیر کے چرچے اور ایک دوسرے پر طنز جاری تھا کہ ڈاکٹر طاہر القادری اسلام آباد میں ایک بڑا میدان لگانے میں کامیاب ہونگے۔ شروع میں تو ایم کیو ایم نے ڈاکٹر صاحب کا خوب ساتھ دیا لیکن بعد میں پیٹھ دیکھا کر بھاگ گئے اور اس دھرنے میں شمولیت سے معذرت کر لی۔ دھرنے کے دوران جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کو بھی اس دھرنے میں شمولیت کی دعوت دی جوان جماعتوں نے اپنی پارٹی پالیسوں کے باعث قبول نہیں کی۔ خیر ڈاکٹر صاحب نے اکیلے ہی میدان لگایا اور حکومت کو مذکرات پر مجبور کیا اور آخر کار حکومتی وزراء کو ڈاکٹر صاحب سے مذکرات کے لیے ان کے پاس ان کے کنٹینر میں جانا پڑا۔ لیکن یہ الگ بات ہے کہ حکومت نے بھی وہی کیا کہ وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوا۔ لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ منہاج القرآن کے ورکرز جن میں بچے، بوڑھے، خواتین، نوجوان ایک جذبے اور استقامت کے ساتھ پر امن طور پر موجود تھے۔ جو استقامت کے ساتھ سردی اور اوپر سے ہونے والی شدید بارش میں اپنے قائد طاہر القادری کے حکم پر ڈٹے رہے۔ اور آخر حکومت کو مذکرات کے لیے آنا پڑا۔ ویسے دیکھنے میں آیا ہے کہ اسلامی جماعتیں ہمیشہ پر امن ہی ہوا کرتی ہیں یہ بھی ایک ریکارڈ کی بات ہے پاکستان میں۔ جماعت اسلامی۔ جمیعت علماء اسلام۔ جمیعت علماء پاکستان۔ تحریک منہاج القرآن، سنی تحریک، وغیرہ سب کے سب جب بھی اپنے جماعتی یا ملکی مفاد میں احتجاج کے لیے نکلے پر امن طور پر نکلے نہ کوئی توڑ پھوڑ نہ نقصان یہ

مذہبی جماعتوں کی تربیت کا نتیجہ ہے۔اب 11 مئی کو ایک بار پھر ڈاکٹر طاہر القادری نے ایک ملک گیر احتجاج کا اعلان کیا ہے ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہزاروں ورکرز ایک بڑے انقلابی معرکے کی تیاری میں مصروف ہیں۔اسی دن جناب عمران خان نے بھی انتخابی دھاندلی کے خلاف احتجاج کا اعلان کیا ہے تاہم ڈاکٹر طاہر القادری کا مرکزی اسٹیج روالپنڈی میں ہوگا اور عمران خان اسلام آباد میں اسٹیج لگائے گے۔جہاں ڈاکٹر طاہر القادری نے ایم کیوایم سمیت دیگر جماعتوں کو اپنے احتجاج میں شرکت کی دعوت دی ہے وہاں عمران خان نے بھی شیخ رشید احمد اور جماعت اسلامی کو اپنے احتجاجی پروگرام میں شرکت کی دعوت دے رکھی ہے۔ماضی جہاں مذہبی حلقوں بطور خاص مولانا فضل الرحمان کی جانب سے عمران خان کے جلسوں میں چلنے والے گانوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا وہاں ڈاکٹر طاہر القادری کے کنٹینر کو خاصی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔اب مئی کو ہونے والے احتجاج کے حوالے سے بھی یہی صورت حال ہے کہ ڈاکٹر 11 طاہر القادری خود کینڈا میں بیٹھ کر ویڈیو لنک سے خطاب کرئے گے کارکنان پاکستان میں بیٹھ کر اپنے قائد کا خطاب سنے گے ڈاکتر طاہر القادری کو ویڈیو لنک اور ٹیلی فون کی بجائے عوام کے درمیان موجود رہتے ہوئے ایسے پروگرامات کی قیادت کرنی چاہیے ۔ویسے ویڈیو لنک اور ٹیلی فون کے ذریعے خطاب کو پاکستان میں جناب الطاف حسین قائد ایم کیوایم نے متعارف کروایا ہے۔الطاف حسین سے ہزاروں اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن ان کی ابتدائی جدوجہد ایک عظیم

جد جہد تھی اس انداز سے شائد ہی پاکستان کی کسی جماعت نے اپنا نظریہ پھلایا ہو۔اب دیکھتے ہیں 11 مئی کو ڈاکٹر طاہر القادری اور عمران خان اپنے اپنے احتجاج کے ذریعے حکومت پر کتنا پریشر ڈالنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔اور عوام کی مشکلات میں کتنی کمی کا باعث بنتے ہیں۔

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا

عمران خان کو سکھوں اور پٹھانوں سے متعلق مشہور لطیفوں کے کرداروں کی طرح بات کی سمجھ دیر سے آتی ہے اتنی دیر سے کہ جب حالات و واقعات بدل چکے ہوتے اور پُلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہوتا ہے، انکی معاملہ فہمی، سیاسی شعور اور فیصلوں کا یہ عالم کہ کبھی مشرف کے ریفرنڈم میں انکی حمایت پر انہیں معافی مانگنا پڑتی ہے، کبھی اپنی ہی پارٹی کے ٹکٹوں کے فیصلے کرنے میں یہ کہہ کر خود کو بے بس پاتے ہیں کہ ''مجھے نہیں پتا تھا کہ ٹکٹوں کے فیصلے کرنا اتنا مشکل کام ہوتا ہے'' تو کبھی افتخار چوہدری پر اعتماد کو اپنی غلطی قرار دیتے ہیں، انہوں نے ناکامیوں پر اشک بہانے کی عادت اتنی پختہ کر لی ہوئی ہے اس لئے ان کے بارے میں مشہور ہو گئی ہے کہ وہ جہاں سے الیکشن جیت جائیں وہاں ''ستے ای خیراں'' اور جہاں سے وہ کامیاب نہ ہو سکیں وہاں کیڑے نکالنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، موصوف جن دنوں کرکٹ کھیلتے تھے اور ''پلے بوائے'' کے امیج پہ پھولے نہیں سماتے تھے تب سیاست میں نہ آنے کا دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا کرتے تھے مگر اب وہ وزیر اعظم بننے کے لئے اتنی جلدی میں ہیں کہ ''کہیں'' سے کوئی ہلکا بھی اشارہ ملے یہ فوراً شیروانی کا آرڈر دینے پہنچ جاتے ہیں، عام انتخابات میں انہوں نے کس

کے سہارے سونامی لانے کے بڑے بڑے دعوے کئے اب یہ بات پوشیدہ نہیں لیکن اصل نکتہ یہ کہ انتخابات میں سونامی کی بدنامی سے بھی انہوں نے سبق نہیں سیکھا، انہیں ایک صوبے کی حکومت ملی جسے سنوار کر اور اسے امن کا گہوارہ بنا کر وہ ایک ماڈل کے طور پر پیش کر سکتے تھے، پاکستانیوں کی وہ اکثریت جو ان کے ساتھ نہیں ہے اسے اپنی جانب مائل کرنے کا ان کے پاس سنہری موقع تھا مگر انکی توجہ کی خیبر پختونخواہ کی حکومت کی کارکردگی سے زیادہ نادیدہ قوتوں کے اشاروں کی منتظر رہتی ہے، ان کے دل و دماغ میں کہیں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ ہمارے ملک میں اب بھی طاقت کا مرکز وہی ہے جہاں سے ماضی میں بڑے بڑے سیاستدانوں نے ''فیض'' پایا، ''فیوض و برکات'' کو جھپٹ لینے کی اس خواہش نے انہیں پہلے بھی مایوس کیا اور اب بھی ہمہ وقت گھیرے میں لیا ہوا ہے سو نواز شریف کے ''پھیرے'' انہیں متاثر نہیں کر سکے، نواز شریف نے الیکشن کے بعد دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور خیبر پختونخواہ میں ''آ ڈھا'' لگائے بغیر تحریک انصاف کو حکومت بنانے دی باوجود اسکے کہ مولانا فضل الرحمان کچھ اور چاہتے تھے مگر یہ حقیقت نواز شریف کے سامنے کھڑی ہے، عمران خان کو وزارت عظمیٰ سے کم کچھ اور نہیں چاہئے اور نواز شریف خود وزیر اعظم ہیں اس لئے وہ انکے ساتھ نہیں چل سکتے

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

سو عمران خان کے دل کا دریچہ نواز شریف کے لئے وا نہیں ہو سکتا، گو کہ وہ بھی کہتے ہیں کہ توانائی بحران، غربت، دہشت گردی وغیرہ وغیرہ کا خاتمہ کروں گا مگر اس سب کے لئے نواز شریف کی کپتانی انہیں قبول نہیں، سو گدگدا دینے والا فرمان جاری کیا ہے کہ ''میں نے نتائج تسلیم کئے تھے دھاندلی نہیں'' آفتوں کے دور میں اس سے لطیف بیان کسی اور کا ہو نہیں سکتا۔

عمران خان بات کہنے اور کہہ کر بدل جانے میں کمال رکھتے ہیں کچھ بعید نہیں کہ کل جب انہیں بات کی سمجھ آئے یا انکی آنکھ کھلے تو وہ ''دھاندلی'' کو بھی مان لیں فی الوقت انکے حسن انتخاب کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی، انہوں نے دانش اور حکمت میں اپنا ثانی نہ رکھنے والے شیخ رشید سے اکھیاں لڑائیں اور اب ان کا رومانس کنٹینر والے بابا جی سے چل رہا ہے، ماضی میں عمران خان کے معاشقے دیرپا نہیں ہوا کرتے تھے، کتنی ہی حسینائیں تھیں جن سے انہیں باری باری ''سچی محبت'' ہوئی تھی بعد ازاں روز روز کے عشق سے تھک ہار کر اور لاکھوں پاکستانی خواتین کی شادی کے لئے آفرز کو ٹھکرا کر جمائمہ پر فریفتہ ہوئے تو'' عشق معشوقی'' کا یہ سلسلہ کہیں تھما تھا، عمران خان کی شادی چلی یا نہیں اسکے بارے میں ٹھیک سے اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ بیوی نے ''علیحدگی کے وقت 4 ارب کا بنی گالہ پیلس بھی انہیں گفٹ کیا اور خان صاحب بچوں کی نانی کے'' پاس بھی بدستور رہنے جاتے ہیں، خیر چھوڑیں پی ٹی آئی

والے بھائی اس کو ذاتی زندگی کے معاملات میں مداخلت کہیں گے اور مجھ پر مغلظات کی برسات بھی یقینی ہے آنے والے ان حالات کو بھانپتے ہوئے جواب میں مجھے اپنے ان بھائیوں سے انتہائی عاجزی سے صرف یہی کہنا ہے کہ ''same to you''

ہاں تو نیا سیاسی معاشقہ کنٹینر والے بابا جی کے ساتھ چلا ہے، بابا جی یوں تو روحانی شخصیت ہیں مگر اپنے مریدوں کے معاملے میں کافی سخت گیر واقعہ ہوئے ہیں، شدید سردی میں ریاست بچانے کے لئے اکٹھ کیا تو مریدوں کو کھلے آسمان تلے اللہ پر توکل کرنے کی نصیحت کی اور خود نرم و گرم لباس میں ملبوس ہو کر کنٹینر میں بیٹھ کر تقریریں فرماتے رہے اب 11 مئی کو جھلسا دینے والی گرمی میں پھر انکے مریدوں کی شامت آیا چاہتی ہے، یار لوگوں کی یاد داشت بھی بہت کمزور ہے اور عمران خان کی تو سب سے زیادہ، کئی دنوں کی اس ''سیاست نہیں ریاست بچاؤ'' مشق میں اپنے مریدوں کا بھرکس نکال دینے کے بعد بابا جی نے مبارکبادوں اور حکومتی کمیٹی کے ساتھ جپھیوں پر اپنے ''اوپن تھیٹر'' کا اختتام کیا تھا، یہ بھی فرمایا تھا کہ حکومت کے ساتھ انتخابی اصلاحات پر اتفاق ہوگیا، اب عمران خان کو افتخار چوہدری، الیکشن کمیشن یہاں تک کہ ایک ٹی وی چینل بھی دھاندلی کا ذمہ دار دکھائی دے رہا ہے، فرصت ہو تو بابا جی سے بھی پوچھ لیں کہ دھرنا ختم کرنے سے پہلے ان کا حکومتی کمیٹی سے کیا مک مکا

ہوا تھا؟ انکی نظام بدلنے کی بڑھکیں اور انتخابی اصلاحات کیا ہوئیں اور پھر بابا جی ''
ریاست'' کو خطرات اور مصائب کے بھنور میں چھوڑ کر اصلاحاتی ایجنڈے پر
عملدرآمد کرائے اور انقلاب لائے بغیر کینیڈا کیوں پدھار گئے تھے، کیا انتخابات میں
مبینہ دھاندلی کے ذمہ دار خود کنٹینر والے بابا جی نہیں ہیں لیکن عمران خان کو یہ بات
دیر سے ہی سمجھ میں آئے گی۔

حیا ختم ہو جائے تو جو چاہے کرو

نبی ء رحمت ﷺ کا فرمان ہے ’’ جب تم میں سے حیا ختم ہو جائے تو جو چاہے کرو‘‘۔ سنن ابوداؤد، جلد سوم، حدیث 1393

محکمہ پولیس نے حیاء کب اتار پھینکی کچھ یقین سے کہنا مشکل تاہم بات بہت پرانی ہے، کم از کم اپنے ہوش میں تو مجھے یاد نہیں کہ محکمہ پولیس کبھی مثالی رہا ہو، ہر دور میں پولیس کے خلاف عوامی شکایات ایک جیسی رہی ہیں، 2008ء کے بعد شہباز شریف نے پنجاب کا چپہ چپہ بدل ڈالا، بعض محکموں میں تو ایسی ایسی اصلاحات ہوئیں کہ جن کا اس سے قبل تصور محال تھا پٹواریوں کے چنگل اور چکر بازیوں سے نجات دلانے کے لئے لینڈ ریکارڈ کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا کام کسی کارنامے سے کم نہیں، کمپیوٹر تو انہوں نے تھانوں میں بھی بھیجے تھے مگر پولیس والوں کی اولادوں اور دوست احباب کے علاوہ ان سے کوئی مستفید نہ ہو سکا، شہباز شریف جن کے کام کی اچھی شہرت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اگر کسی شعبے میں مسلسل ناکام چلے آ رہے ہیں تو وہ پولیس کا ہے، شریف شہریوں کے لئے پولیس قابل نفرت محکمہ کیوں ہے اور ’’ لیکچر بازی و فوٹو سیشن ‘‘ کی بجائے پولیس افسران اپنی کارکردگی بہتر بنانے پر توجہ کیوں نہیں دیتے؟ اس

کا جواب کبھی بھی گھمنڈی پولیس افسران نے تحمل اور ڈھنگ سے نہیں دیا، ویسے کارکردگی کے نام پر انکے پاس بتانے اور دکھانے کو کچھ ہے بھی نہیں، رشوت ستانی میں ہمیشہ پہلی پوزیشن لینے، رشوت لے کر بے گناہوں پر عرصہء حیات تنگ کرنے اور معمولی چوروں سے لے کر خطرناک اشتہاریوں، ڈکیتوں، منشیات فروشوں کی پشت پناہی کرنے والی پولیس نے محض ''کارروائیاں'' ڈالنے کے لئے آج بھی وہی پرانے طریقے اپنائے ہوئے ہیں جو مدتوں پہلے '' رائج'' تھے لیکن آوارہ منش نوجوانوں کو ڈکیتوں کے گینگ بنا کر پیش کرنے اور انکے ساتھ تصویریں کھنچوانے کا فرسودہ فارمولا جرائم کی شرح کو نیچے لا سکتا ہے اور نہ ہی کسی افسر کی روحانی محفلوں میں شرکت اور سر کھانے والے طویل خطابات عوام الناس کے کام آنے والے ہیں، البتہ اس سے مداح سرائی کرتے ٹاؤٹوں کی تعداد میں اضافہ ہو تو ہو، تمام شعبہ ہائے زندگی میں کالی بھیڑوں کی موجودگی سے پولیس سب سے زیادہ اور بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہے، ہر قسم کا ٹاؤٹ پولیس کو دستیاب ہے جو بے گناہوں کو جھوٹے مقدموں میں پھنسانے کے لئے کچہری میں پھرتے گواہوں کی طرز کے جعلی مدعی بھی فراہم کرتا ہے، پولیس چاہے تو ان سب کو دھتکار کر اپنے کام سے کام رکھ سکتی ہے لیکن پولیس کو بے وجہ ہی واہ واہ کرنے اور مرغے '' گھیر گھیر کر لانے والے ٹاؤٹوں کی اب بری طرح لت پڑ چکی ہے، اس'' رویے نے ایس ایچ او لگوانا منافع بخش اور آسان ترین کاروبار بنا دیا ہے، سو جسے دیکھو اس نے ایس ایچ او لگوانے کا کام پکڑ رکھا ہے، بات چند لاکھ روپے

کے عوض ایس ایچ او کی تقرری پر ہی ختم نہیں ہو جاتی، اصل کھیل تو اس کے تھانے میں بیٹھنے کے بعد ہوتا ہے، جہاں لین دین اور خالصاً کاروباری معاملات کو بھی امانت میں خیانت کا رنگ دے کر پولیس مال کھا رہی ہے، پولیس کو دیہاڑی لگتی نظر آئے تو شہر کے کسی بھی پولیس سٹیشن میں جس پر جب چاہیں جھوٹی ایف آئی آر کروالیں اور دوسری جانب کسی کا قتل بھی ہو جائے یا کسی بیٹی کی عزت لٹ جائے تو پولیس کی مرضی ہے کہ ایف آئی آر کاٹے نہ کاٹے اور کچھ بعید نہیں کہ مدعی پر ہی مقدمہ ہو جائے، باقی رہی تفتیش تو جن تفتیشیوں کی حالت اور سائلوں کے ساتھ انداز گفتگو دیکھ کر ہی گھن آتی ہو تو ان سے انصاف کی کیا توقع کی جا سکتی ہے، جرائم کی بیخ کنی کی بجائے پولیس کی بھرپور سرپرستی کی وجہ سے گوجرانوالہ شہر میں منشیات کا دھندہ اس خوفناک حد تک پھیل گیا ہے کہ گنجان آباد محلوں کی گلیوں کی ہر نکڑ سے ہیروئن کی پڑیا آسانی سے مل سکتی ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے ٹکی ٹافی کی طرح نشہ بیچتے پھر رہے ہیں مگر پھر بھی شرم کسی کو نہیں آتی، ایس ایچ اوز کو اور نہ انکے سپہ سالار کو، سر عام جاری اس کاروبار میں کون کون ملوث ہے اس کا پتا چلانا کچھ مشکل نہیں، ہر محلے میں ایسے باضمیر لوگ موجود ہیں جو چیخ چیخ کر ان انسانیت کے دشمنوں کے نام لے رہے ہیں مگر پولیس اپنے ٹاؤٹوں کی چھیڑی ہوئی ''مدھر موسیقی'' کے سوا کسی اور فضول شخص کی بات پر کان دھرنا نہیں چاہتی سو مست ماحول میں ہے، بڑی بڑی توندوں والی اور ذہنی و جسمانی لحاظ سے '' مکمل ان

فٹ ''پولیس کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس نشے سے کسی ماں کے جگر گوشے کی زندگی تباہ ہو رہی ہے، انہیں تو اپنی منتھلی سے دلچسپی ہے سو کم عمر لڑکے نشے کے ٹیکے لگا لگا کر خود کو ختم کرتے جا رہے ہیں، امن و امان کی یہ حالت کہ عوام گھر پر محفوظ اور نہ دوکان کارخانے میں، ڈاکو جب جہاں جسے چاہیں لوٹ لیں کوئی رکاوٹ نہیں، دکھاوے کے ناکے اور گشت عوام کے کسی کام کے نہیں، شہر کے نامی گرامی جواریوں کی روز جمنے والی جوئے کی محفلیں اپنی جگہ مگر اب تو گلی گلی جواء خانے کھلے ہوئے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں، ایک وقت آیا تھا کہ اوپر کی سطح پر پولیس کی لوٹ مار میں قدرے کمی ہوئی تھی لیکن تھانوں کی حالت تب بھی وہی تھی، ہر دور کی پولیس نے اپنی سیاہ کاریوں کی ذمہ داری ''سیاسی مداخلت'' کو قرار دے کر اپنی جان خلاصی کرنے کی بھونڈی کوشش کی ہے، حالانکہ شاید سیاسی مداخلت نہ ہو اور عوامی نمائندے لوگوں کو پولیس کے پنجہ ء ستم سے نہ چھڑائیں تو پولیس کے بھیڑیئے لوگوں کی بوٹیاں تک نوچ لیں، عوامی نمائندوں نے لوگوں کو کچھ نہ کچھ ریلیف تو ضرور دینا ہوتا ہے کیونکہ ووٹ لینے دوبارہ عوم کے پاس جانا انکی مجبوری ہے، البتہ سیاستدانوں میں بھی ایسے ہیں جو عوامی نمائندگی کا مکروہ دھندہ کرتے اور اپنی عہدے کو ذاتی مفادات کے لئے خوب استعمال کرتے ہیں اور پولیس انکے لئے بڑی مددگار ہوتی ہے تاہم روز محشر جب حساب کی کتاب کھلنی ہے تو سب کو اپنے اپنے عمل کی جواب دہی سے گزرنا ہے، وہاں پولیس کا سیاسی مداخلت والا بہانہ چلنے والا نہیں ،

خدا خوفی اور دیانتداری کے لیکچر" بہت بھلے مگر اعلیٰ پولیس افسران اپنی ناک تلے ظلم" کی انتہا کو دیکھیں،، تھانوں کو ٹھیک کرنے سے پہلے کم از کم اپنے دفاتر میں تو عوام کی پہنچ آسان بنائیں، ٹاؤٹوں کی بجائے سماجی کارکنوں اور معززین شہر کو عزت دیں پھر کوئی گھناؤنا کاروبار راز نہیں رہے گا، پولیس کی قیادت "دوستوں" کی خوشنودی اور ٹاؤٹوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے نکمے اور پرلے درجے کے بد عنوان ایس ایچ اوز لگانے کی بجائے کھڈے لائن لگے ہوئے چند ہی سہی مگر اچھی شہرت کے افسران کو تھانوں میں تعینات کرے تو کچھ ہی عرصے میں واضح فرق نظر آنے لگے گا، ان فیصلوں کے لئے شہر کی پولیس کو مثالی جرات رکھنے والے اور جذبہ ء خدمت سے سرشار ایک ایسے سربراہ کی ضرورت ہے جو حقیقی معنوں میں کرائم فائٹر ہو اور نام کا ہی نہیں کام کا بھی راجہ ہو پولیس والوں نے ایمانداری کے نام پر نہ جانے کتنے حلف اٹھائے اور بے توقیر کئے ہیں، اسکے باوجود پولیس کی دلدل اور کیچڑ میں رہ کر بھی جس نے اپنی اصلاح کر لی ہو کر سکتا ہے مگر جو حیاء اتار پھینکنے پر مصر ہو وہ پھر نبی ء رحمت ﷺ کے فرمان کے مطابق جو چاہے کرے۔

جلیانوالہ باغ ماڈل ٹاؤن لاہور

کل سے میرا فون مسلسل بج رہا ہے، فون کرنے والوں میں بڑی تعداد مسلم لیگ ن کے کارکنوں کی ہے جو پولیس کی جانب سے ماڈل ٹاؤن کو جلیانوالہ باغ بنا دینے پر سخت صدمے سے دوچار ہیں اور حیران پریشان ہیں کہ آخر یہ سب کیسے ہوگیا، 2014ء کے پاکستان میں دن دیہاڑے پولیس نے ہم وطنوں کو ذبح کر ڈالا فون کرنے والوں کی باتیں سن سن کر میرا دل ہے کہ ڈوب رہا ہے اور میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب اور شرمندہ شرمندہ سی ہو رہی ہیں، یہ شرمندگی تو اب میری ذات کا مستقل حصہ بنتی جا رہی ہے، ایک کے بعد ایک واقعے کے بعد اس شرمندگی کے احساس میں بے پایاں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے میں جب سوچتا ہوں کہ ہمارے حساس اداروں کے ہیڈ کوارٹر میں دہشت گرد گھس گئے تھے، دنیا کا انتہائی مطلوب شخص اسامہ بن لادن ایبٹ آباد سے اس طرح برآمد ہوا تھا کہ ہماری رہی سہی ساکھ بھی بھک سے اڑ گئی، ہمارے ائیر پورٹ دہشت گردوں کے نرغے میں ہیں، ہماری مساجد مدرسے اور امام بارگاہیں بھی انہی کے رحم و کرم پر ہیں تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں، کل سے فون کرنے والوں کی باتیں سن تو رہا ہوں مگر مجھے بولنا مشکل ہو رہا ہے کل سے میں جی تو رہا ہوں مگر بین کرتی لہو لہان بہنوں بیٹیوں کی چیخ و پکار اور ڈنڈے کھا کر

نڈھال ہو کر گرتے بزرگوں کی حالت دیکھ کر جینا بھول سا گیا ہوں، میں جانتا ہوں کہ اس سے بڑا بد نصیب کوئی نہیں ہو سکتا جس کا پالا ہماری پولیس سے پڑ جائے منہاج القران کے بچے بچیوں کو تو انکے پیر و مرشد کی محبت نے اندھا کر دیا ورنہ پولیس سٹیٹ میں سرکار کی وردی میں پلے ہوئے ان غنڈوں کے ہاتھ جتنے ناپاک ہیں اتنے ہی لمبے بھی ہیں اور شرفاء تو انکے سامنے کھڑا ہونے کا تصور نہیں کر سکتے ، مجھے ذاتی طور پر ڈاکٹر طاہر القادری کی سوچ سے شدید اختلاف ہے، میرا یہ بھی گمان ہے کہ انکی ڈوریاں کہیں سے ہلائی جاتی ہیں تو انکو وطن کی یاد ستانے لگتی اور نظام کی خرابی کا ادراک ہونے لگتا ہے، مجھے دکھ ہوتا ہے کہ یہ شخص خود آرام پسند ہے لیکن اپنے پیروکاروں کو موسم کی سختیوں کے آگے جھونک دینے سے پہلے اس کا دل ذرہ برابر بھی نہیں پسیجتا یہ قوم کی بیٹیوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے اور اپنے مریدوں کے جذبات سے کھیلنا انہیں گرمانا اسکی عادت ہے، ڈاکٹر طاہر القادری آمر مشرف کا حامی اور ملک کی حقیقی جمہوری قوتوں کا مخالف ہے اور اس کا موجودہ انتخابی نظام پر یقین نہیں ہے لیکن ادارہ منہاج القران کے سربراہ کی سوچ وایجنڈہ کتنا ہی ناپاک اور عزائم کیسے ہی بھیانک کیوں نہ ہوں لاہور میں پولیس کی درندگی و بے شرمی کے آگے تو سب کچھ ماند پڑ گیا ہے، ایک احتجاج کرتے انسان کو جان سے مار دینے کی توجیح کیا ہو سکتی ہے اور کیا سوچ اور نظریے کے اختلاف کا یہ انجام قابل تعریف ہے جو لاہور پولیس نے اپنی گولیوں اور ڈنڈوں سے تحریر کیا

میرے کئی صحافی بھائی مجھ سے اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ مجھے پولیس سے نفرت کیوں، ہے لاہور کے واقعے میں ان سب کے سوالوں کے جواب عیاں ہیں،اس نفرت نے کل سے اور بھی شدت اختیار کر لی ہے مگر کیاپولیس کی اس درندہ صفت خوبی سے خادم پنجاب واقف نہ تھے اس وحشی پولیس سے امن قائم کرنے کی امید ممکن ہے اور کیا تجاوزات کے خلاف یہ آپریشن ڈی سی او لاہور کو انسانی جانوں سے زیادہ قیمتی محسوس ہو رہا تھا اور یہ مکمل نہ ہوتا تو کیا انتظامیہ کی روٹی ہضم نہ ہوتی،ان سوالوں کے جواب پنجاب حکومت کو دینا ہیں اور وہ چاہے بھی تو ان سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی،شہباز شریف نے کہا ہے کہ جوڈیشل کمیشن انہیں واقعہ ذمہ دار قرار دے تو وہ مستعفی ہو جائیں گے۔۔۔نہیں جناب اگر آپ ذمہ دار ہوئے تو استعفیٰ تو ایک طرف پھر آپ قانون کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے اور قانون کے مطابق سزا کے مستحق آپ ملک میں عمر فاروق رضی اللہ کا نظام لانا چاہتے ہیں اور اس پولیس کے ذریعے۔۔۔؟ اسکے ذریعے تو انسانوں پر قہر ڈھانے کے لئے فرعونیت کا کوئی نظام لا کر انسانوں پر قیامت ڈھانے کی کوئی بات کریں تو شاید کسی کو یقین آ جائے ، پولیس کی انسانیت سوز کارروائیوں پر چشم پوشی مجرمانہ غفلت شاید اب آپ کو احساس ہو جائے کہ عوام کی خدمت کے نام پر جو درندے پال رکھے ہیں ان سے انسانوں کی فلاح کی امید ناممکن ہے لاہور میں شہریوں پر گولی چلانے کا واقعہ آپ کی ایماء پر نہ بھی ہوا ہو تو آپ بطور وزیر اعلیٰ اس کی ذمے داری سے بری نہیں ہو سکتے اس لئے آپ مستعفی ہوں یا نہ

ہوں اس افسوسناک واقعہ پر قوم سے معافی ضرور مانگیں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جوڈیشل انکوائری میں شفافیت کو یقینی بنائیں اور پولیس کی جانب سے پٹی بھائیوں کو بچانے کی کوششوں پر کڑی نظر رکھیں ،اگلے روز ہی گوجرانوالہ میں ایک تشدد پسند ایس ایچ او جو اپنی تعیناتی کے فوری بعد ہی علاقے کے دوکانداروں پر ٹوٹ پڑا تھا اور علاقے میں دہشت کی علامت بن گیا تھا اس نے موبائل چوری کے الزام میں ایک دوکاندار پر وہ تشدد کیا جس پر انسانیت بھی شرما جائے حالانکہ دوکاندار نے موبائل فون جن میاں بیوی سے خریدا تھا انکے شناختی کارڈ کی کاپی بھی اس نے پولیس کو فراہم کردی تھی لیکن کیا کریں ہم سب پولیس والوں کی سلطنت میں بسنے والی بے بس رعایا ہیں اور میں اس رعایا کا ایک شرمندہ سا فرد ہوں ہم سب کا مقدر سا بنھا ہے ہم تھانوں میں اور نجی عقوبت خانوں میں مار کھانے اور اپنی کھال اور ناخن کھنچوانے کے عادی ہو گئے ہیں ،فون کل سے مسلسل بج رہا ہے اور بار بار ری چارج کرنا پڑ رہا ہے لیکن بے بسی کی انتہا یہ ہے کہ میں وحشیانہ تشدد اور ظلم و بربریت کے مناظر دیکھنے کے بعد سے اپنے دل کو ری چارج نہیں کر پایا مجھے ایسا کوئی چارجر نہیں مل رہا جو میرے دل کی دھڑکنوں کو دوبارہ ترتیب میں لے کر آئے اور میری مسکراہٹ واپس کرے، میں رونا چاہتا ہوں کہ مسلسل ضبط اور احساس جرم نے میری روح کو جیسے قبض ہی کر لیا ہے مگر رو بھی نہیں پا رہا

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

ننھا فرشتہ

پشاور میں ننھے بچوں پر قیامت گزر گئی اور معصوم بے گناہ نوخیز پھول کلیوں کے لئے انسان نہیں پتھر بھی روئے ہیں، ماؤں کے کلیجے چھلنی ہیں اور ہر صاحب اولاد نے اس درد کی ٹیس اور چبھن اپنے دل میں محسوس کی ہے، جگر گوشوں سے جدائی کا صدمہ اس وقت کہیں زیادہ دکھ دیتا ہے جب مائیں تصور میں اپنے بچوں پر ہونے والے ظلم کی جھلک دیکھتی ہیں اور تڑپ تڑپ جاتی ہیں، سچ میں نہ صرف ان ماؤں کے لئے ہی نہیں ہر اس انسان کے لئے یہ تصور روح کو تڑپا دینے والا ہے جس کے اپنے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ،انسانیت کی تذلیل اور بزدلی کی شاید اس سے بڑی مثال کہیں نہ ملے جو دہشت گردوں نے قہر بن کر قائم کی ہے، طالبان نے ثابت کیا ہے کہ انہیں ظالمان ٹھیک ہی کہا جاتا ہے۔ ہر طرف اظہار مذمت اور افسوس کا ایک طوفان برپا ہے دنیا بھر کے انسان مذہب اور سرحدوں کی قید سے آزاد ہو کر بچوں کے لئے ماتم کناں ہیں، دلوں کی ویرانی ہے کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی، ملک میں حالات نے نئی کروٹ لی ہے محافظ غم وغصے کی شدت سے تپے ہوئے ہیں ، حالات کا جبر کہیں یا تقدیر یا وہ ریٹائرڈ جرنیل جس کو آرٹیکل 6 کے تحت موت کی سزا کا سامنا تھا اب اس کے دور اقتدار میں اسی پر حملہ کرنے والوں کو پھانسیوں سے دہشت گردی کے خاتمے کی

کوششوں کا آغاز ہوا ہے، ملک میں فوجی عدالتیں قائم ہونے جا رہی ہیں خدا کرے اس جوش میں ہوش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے ،وہ سب سیاسی جماعتیں جو عام دنوں میں حکومت کو کسی ترمیم کے لئے جلدی پلہ پکڑانے پر راضی نہیں ہوتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی ہیں ان میں وہ جماعت بھی شامل ہے جو 14 اگست کو وزیر اعظم کا استعفے لینے اسلام آباد کی طرف روانہ ہوئی تھی بہر حال اب سارے ایک جگہ بیٹھے ہیں اور دہشت گردوں کو نتھ ڈال دینے کے عزم کا اظہار جاری ہے میں یہ مناظر حیرت سے پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں ،پشاور سانحے پر عمران خان اور طاہر القادری بھی دکھ کا اظہار کر رہے ہیں ،ایک صاحب بنی گالہ میں اور دوسرے جہاں سے آئے تھے دل پہ ہاتھ رکھ کر وہیں جا چکے ہیں ،میں محبت اتحاد اور یکجہتی کے اس منظر سے محروم نہیں ہونا چاہتا کیونکہ ابھی ہفتہ دس دن پہلے ایسی کسی اے پی سی کا خیال بھی دل میں لانا ممکن نہ تھا اس وقت سب اکھٹے ہیں میں چاہتا ہوں کہ سیاسی قیادت کو یونہی مل بیٹھ کر مل کے لئے کام کرتے ہوئے دیکھوں مگر رات کو جب میں تھکا ہارا بستر پر دراز ہوتا ہوں کو تو بہت سے ننھے منے فرشتے مجھ سے ملنے آ جاتے ہیں ان میں سے ایک ننھا فرشتہ ہے جو مجھے کہیں ساتھ لے کر جانا چاہتا ہے لیکن میں خوف اور حیرت میں ڈوبا رہتا ہوں اور اسکے ساتھ نہیں جاتا رات بہت بیت چکی ہے اور ننھے فرشتوں نے میری آنکھوں کے سارے مناظر دھندلا دیئے ہیں اور خود انکی جگہ لے لی ہے اچھلتے کودتے کھیلتے معصوم سے ننھے فرشتے بہت بھلے لگ رہے ہیں

اور وہ ننھا فرشتہ پھر میرے قریب آ رہا ہے اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ہے اور آج میں خود سپردگی کے عالم میں اسکے ساتھ چل پڑا ہوں یہ اسلام آباد کا ڈی چوک ہے ایک شخص جو انتہائی نفیس لباس زیب تن کئے ہوئے ہے اسکی کان پھاڑ دینے والی آواز میری سماعتوں سے ٹکرانے لگی ہے وہ دھاڑ رہا ہے مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ننھے فرشتے نے مجھے اشارہ کیا ہے کہ میں انتظار کروں شاید وہ کچھ خاص دکھانا چاہتا ہے اور اب چیخنے والے شخص نے ایک شیر خوار بچہ فضاء میں بلند کیا ہے اور اس بچے کو زندہ سلامت بچے کو کفن پہنایا ہوا ہے، خوش لباس شخص مسلسل دھاڑتا جا رہا ہے کسی توقف کے بغیر ننھے فرشتے نے میرا ہاتھ پھر سے کھینچنا شروع کر دیا ہے وہ مجھے آگے کہیں لے جانا چاہتا ہے اب میں اسکے ساتھ چل رہا ہوں کچھ ہی دور چل کر وہ رک گیا ہے اس نے پھر اشارہ کیا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں ڈی چوک میں قبریں کھدی ہوئی ہیں کافی زیادہ قبریں ہیں جنہیں دیکھ کر ننھا فرشتہ چپ چاپ کھڑا ہے ور پھر میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا ہے جیسے کچھ پوچھنا چاہتا ہو کہ زندہ شیر خوار بچوں کے جسم پر کفن اور جیتے جاگتے انسانوں کے لئے قبریں کیوں اور میں نے نظریں چرا لی ہیں میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے ننھا فرشتہ ایکدم سے چل پڑا ہے اس بار تو اس نے اڑنا شروع کر دیا ہے لگتا ہے وہ مجھے کہیں زیادہ دور لے جانا چاہتا ہے اس نے لمحوں میں میلوں کا سفر طے کر ڈالا ہے اور فضاء میں معلق ہو کر نیچے دیکھنے کا اشارہ کر رہا ہے میں نے نیچے دیکھنے کو کوشش کی ہے مجھے صاف نظر

آ رہا ہے یہ کوئی جلسہ ہے روشنیوں کا ایک سمندر ہے یہاں موسیقی کی دھنیں بج رہی ہیں اور ایک مستی کا عالم ہے پھر ایک بہت بڑا لیڈر مائیک پر آیا ہے اور اس نے بڑے بڑوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دیکھتے ہی دیکھتے انکی ایسی تیسی کر دی ہے میں اسکی جرات اور انداز تخاطب دیکھ کر اسکی تقریر میں محو ہوں لیکن ننھے فرشتے نے مجھے جھنجھوڑ دیا ہے جیسے وہ یہاں مجھے اس بڑے انقلابی لیڈر کی تقریر سنانے نہیں کچھ اور دکھانے لایا ہے اس نے اشارے سے مجھے ایک طرف دیکھنے کو کہا ہے وہاں ایک عجیب سی بھگدڑ مچی ہوئی ہے کچھ لوگ اس بھگدڑ میں زخمی ہیں مگر سب افراتفری کے مارے بھاگ رہے ہیں اور تو اور اسٹیج کے بالکل نیچے ایک نوجوان اپنی زندگی کی بازی ہار رہا ہے لیکن لیڈر ہے کہ اپنی تقریر کئے جا رہا ہے اور اب فرشتہ مجھے جلسے سے نکال کر ان مرنے والے نوجوانوں کے گھروں میں لے گیا ہے جہاں بین کرتی انکی ماؤں کی چیخ وپکار سے کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی، ننھا فرشتہ پھر محو پرواز ہے وہ مجھے ایک اور جگہ لے گیا ہے جہاں ایک میدان جنگ لگا ہوا ہے ایک لڑکا ٹائر کو آگ لگاتا ہوا نہر میں ڈوب گیا ہے اور ایک بدمست نوجوان نے مظاہرین پر سیدھی فائرنگ کر دی ہے جس سے ایک اور نوجوان زمین پر خون میں لت پت پڑا ہے ننھا فرشتہ رکا نہیں ہے مگر میری حالت غیر ہوتی جا رہی ہے اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھاما ہے اور لمحوں میں مجھے کہیں کا کہیں لے آیا ہے شاید یہ داتا کی نگری ہے یہاں کچھ سال پہلے انسانوں کو لوتھڑوں کی شکل میں میں نے

اپنی انکھوں سے دیکھا تھا میرا حلق خشک ہو رہا ہے ننھے فرشتے کو میری حالت کا احساس ہے اس نے میرا ہاتھ اور زور سے دبا کر میرا حوصلہ بڑھایا ہے اور پھر ایک جانب اشارہ کیا ہے یہاں ہر طرف پولیس ہی پولیس ہے جو بے رحمی سے لوگوں کو پیٹ رہی ہے آنسو گیس کی شیلنگ سے خواتین کا برا حال ہے اور پھر گولیاں چلنی شروع ہو گئی ہیں اور گولیوں ترتڑاہٹ سے فضا گونج رہی ہیں اور کچھ دیر بعد 14 لاشیں روانہ کی جارہی ہیں ننھے فرشتے نے مجھے ساتھ لیا ہے اور پھر فضاء میں بلند ہوا ہے آن کی آن میں وہ مجھے بہت دور لے آیا ہے یہ کوئی قبائلی علاقہ معلوم ہوتا ہے ایک مدرسے سے بچوں کے قران پڑھنے کی آوازیں آرہی ہیں اچانک ایک میزائل آتا ہے اور مدرسے پر گرتا ہے جہاں بچوں کی آوازیں گونج رہی تھیں وہاں پل بھر میں لاشوں کا ڈھیر لگ گیا ہے میری حالت پھر خراب ہو گئی ہے ننھا فرشتہ میرا ہاتھ تھامے پھر کسی نئی منزل کو روانہ ہوا ہے یہاں آتے ہوئے میں نے پہلی بار اسکی آنکھیں نم دیکھی ہیں اسکی معصوم من موہنی صورت اب بہت اداس ہو گئی ہے شاید یہ اس کا گھر ہے وہ گھر میں داخل ہوا ہے اس نے روز سکول سے واپسی کی طرح بہت اونچی آواز میں سلام کیا ہے لیکن اسکے اہل خانہ اسکو سن نہیں پا رہے وہ اپنی ماما سے لپٹ گیا ہے اپنے پاپا کی ٹانگوں سے جھول رہا ہے وہ بہن بھائیوں کو پکا رہا ہے اسکا بھائی ایک کونے میں بھیگی آنکھیں لئے بیٹھا ہے سب غم سے نڈھال ہیں اور بت بنے ہیں کسی کو نہیں معلوم کہ ان کا پیارا ان سے ملنے آیا ہے اور انکے پاس

موجود ہے ننھے فرشتے کی بے بسی مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی وہ اپنے اہل خانہ کو اپنے وجود کا احساس نہیں دلا پا رہا تب وہ ایکدم اٹھا ہے اپنے ننھے دوست پرندوں کے پاس گیا ہے انہیں پیار کیا ہے لیکن پرندے اب اس کے محبت بھرے لمس کو محسوس نہیں کر پا رہے وہ اسکی بات سننے اور اپنی کہنے سے قاصر ہیں اب وہ اپنے کمرے میں گیا ہے جہاں اسکی کاپیاں اور کتابیں اسکا بستہ سب لہو لہو ہیں اس نے اپنی کاپیاں کتابیں اٹھا کر سینے سے لگا لی ہیں اور ان میں سے ایک کاپی جس کا سرورق تو لہو لہو ہے لیکن اندر والے صفحات کچھ بہتر حالت میں ہیں اس نے اپنے ساتھ لے لی ہے میں ہمت کر کے آگے بڑھا ہوں اس کا ہاتھ تھاما ہے اس نے خدا حافظ کہتے ہوئے اپنی ماں کے پاؤں چومے ہیں اور باہر کی راہ لی ہے وہ مجھے پھر کہیں لے جا رہا ہے یہ ایک بڑی عمارت ہے جس کے باہر آرمی پبلک سکول کا بورڈ لگا ہوا ہے ننھے فرشتے نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا ہے اور اسکے گالوں پر ٹپکنے والے آنسوؤں کو میں دیکھ رہا ہوں اس نے اپنے سکول کی ویران عمارت کو سلیوٹ کیا ہے وہ پرنسپل آفس کی جانب جا رہا ہے اندر جا کر اس نے خالی کرسی کو پھر سلیوٹ کیا ہے وہ باہر آ کر میرا ہاتھ پکڑ کر میرے چہرے کی طرف دیکھ رہا ہے جیسے کہہ رہا ہو بس کچھ ہی دیر اور۔۔۔اب شاید وہ مجھے قبرستان کی طرف لے جا رہا ہے جہاں جاتے ہوئے مجھے ہمیشہ خوف سا محسوس ہوتا ہے ننھے فرشتے نے مجھے بہت سی قبریں دکھائی ہیں اسکے دوستوں کی قبریں اسکے ساتھیوں کی اساتذہ کی قبریں۔۔قبریں ہی قبریں۔اب وہ ایک قبر

کے پاس رکا ہے شاید یہ اسکی اپنی قبر ہے اسکے آنسو ہیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے
میں اس کے آنسو پونچھ رہا ہوں وہ اب واپس جا رہا ہے جانے سے پہلے لہو رنگ کاپی
نکال کر ننھے فرشتے نے اس پر لکھنا شروع کر دیا ہے اسکے آنسو ٹپ ٹپ کاپی پر گر رہے
ہیں آنسوؤں سے لبریز یہ تحریر بتا رہی ہے کہ وہ اپنی معصومیت اور بے گناہی کے بارے
میں جیسے کوئی سوالنامہ تیار کر رہا ہے اس نے ظالم دہشت گردوں سے اپنی سیاہ سے
سیاستدانوں، حکمرانوں سے اور ہم سب سے پوچھا ہے کہ میں تو علم کی روشنی لینے اپنے
پیارے پیارے سے سکول گیا تھا نہ کہ کسی بارڈر پر میں تو بڑا ہونا اور بہت سا پڑھنا چاہتا
تھا، میں اس ویران قبرستان میں نہیں بلکہ ہر رات اپنی ماں کی آغوش میں سونا چاہتا تھا
میں اپنے باپ کی شفقت کی گھنی چھاؤں میں رہنا چاہتا تھا میں اپنے دوستوں کے ساتھ
کھیلنا کودنا اچھلنا بھاگنا چاہتا تھا مگر مجھ سے میرا یہ سب کچھ کیوں چھینا گیا ہے میرے بھائی
بہن میرے دوست میرے اساتذہ سب چھن گئے ہیں دہشت گرد انکل نے کیوں میرے
نرم و نازک سے بدن پر برچھیاں چلا دی ہیں میں نے بہت سوچا ہے لیکن اس بات کی
میرے ننھے منے ذہن کو سمجھ نہیں آئی مجھے اتنا سمجھا دو بس مجھے اتنا تو دو آخر میرا جرم کیا
تھا؟ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے پاس بلایا ہے کاپی مجھے تھمائی ہے اور 16
دسمبر کی قیامت کو یاد کرکے ہر روز آنسو اگلنے والے معمولی سے لکھاری کو گلے لگا کے
رخصت ہو گیا ہے۔

صاحب کی عظمت کو سلام

قیام پاکستان سے ہی ہماری دھرتی متکبر اور بد دماغ افسروں کے معاملے میں بڑی زرخیز رہی ہے سول و ملٹری بیوروکریسی میں ایسے ایسے لوگ ان پسے ہوئے مجبور اور محکوم لوگوں پر راج کرتے رہے ہیں جنہیں حقوق دلانے کی نیت سے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔افسر شاہی کی غلامی کی روایت آج کے اس جدید اور ٹیکنالوجی کے دور میں بھی زندہ و تابندہ ہے میں عوام بھی برابر کے قصور وار رہے ہیں جنہیں غلامی کی یہ روایت اور عادت انگریز کے غلام ذہنوں نے وراثت میں دی اور پھر سالہا سال اس روایت کو زندہ رکھنے میں معاشرے کے ہر طبقے کے لوگوں نے حسبِ توفیق اپنا اپنا حصہ ڈالا، گوجرانوالہ بھی صاحبوں کی عظمت کو سلام کرنے والوں کی کبھی کمی نہیں رہی سیاستدانوں، مولویوں، صحافیوں، وکلاء اور تاجروں صنعتکاروں سمیت معاشرے کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے ان بھانڈوں نے بے سُری افسر شاہی کے ساتھ بھی وہ سُر ملائے ہیں اور بے سُروں و بے تالوں مدح سرائی کی دوڑ میں اس قدر آگے نکلتے رہے کہ صاحبان اپنی اس قدر ''غیر اخلاقی'' تعریف و توصیف پر شاید وہ خود بھی تڑپ کر جاتے ہوں گے لیکن بہر حال تعریف جیسی بھی ہو اچھے اچھوں کو گدگدا دیتی ہے، گماشتے اور ٹاؤٹ کی تیسری فارم ''دلال'' ہے اس لفظ کی ادائیگی کے بغیر ان سرکاری افسران کے دفتروں کے پھیرے لگانے

والوں کی درست اور جامع تعریف ممکن نہیں ہے مجھے کہنے دیجئے کہ حقداروں کا حق مارنے اور مظلوم کو دادرسی سے محروم رکھنے میں افسر شاہی کے ان دلالوں کا کردار انتہائی گرا ہوا اور گھٹیا رہا ہے اور عوام کا خون چوسنے والے افسران کے گناہ میں شریک رہے ہیں ہمارے ارد گرد بے شمار ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنا کام نکلوانے کے لئے دن بھر ان افسروں کے پاؤں چومتے ہیں اور پھر جو افسران ان دلالوں کے جھرمٹ سے باہر نہ آئیں انکی فرض شناسی کے بارے میں اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، مجھے ذاتی طور پر اس بارے میں میڈیا کے کردار سے بھی بیحد گلہ ہے جو مسالے دار خبروں کی خاطر معیار سمیت کسی بھی شے کو خاطر میں نہیں لاتا اور سچائی کو مصلحت کی تھپکی دے کر سلانے کا بھی ماہر ہو گیا ہے، میڈیا پر سچ کا اس قدر قحط ہو گیا ہے کہ اب اگر کوئی صحافی مال کھا کے ہی سچ لکھ دے یا کہہ دے تو وہ بھی فرشتہ معلوم ہوتا ہے، مسائل کی درست نشاندہی نہ ہونے اور مثبت صحافت کرنے والوں کی جگہ پر بلیک میلروں کی بھرمار نے سچ اور جھوٹ اچھائی اور برائی کا فرق کرنا دشوار کر دیا ہے اور پتا نہیں چلتا کہ کون سا افسر کس قماش کا ہے اور کس نے حکومت کی پالیسی یا قانون کی عملداری کے نام پر کیا کیا گل کھلائے ہیں، گوجرانوالہ میں پچھلے دنوں ایک ایسے آر پی او بھی ہو گزرے ہیں جن کے ہونے اور نہ ہونے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی مجال ہے کہ انہوں نے کبھی کسی کو شک بھی ہونے دیا ہو کہ وہ اپنے دفتر میں موجود ہیں جناب کے چلے جانے کے بعد (یہ بھی ہماری

روایات کا حصہ ہے) یہ انکشاف ہوا ہے کہ وہ آدھا دن تو اپنے گھر پر گزار کر ہی آتے تھے اور دفتر پہنچتے ہی ان کے دروازے پر لگی لال بتی آن ہو جاتی جس کا مطلب یہ ہوتا کہ صاحب میٹنگ میں ہیں اور اسکے بعد وہ آن لائن جوا کھیلنے میں مشغول ہو جاتے اور یوں سائلین سے بچ بچا کر ان کا بخوشی گزارہ ہو جاتا تھا، کچھ بات ہو جائے گوجرانوالہ کے موجودہ ڈی سی او کی جن کے جاہ و جلال کے سامنے بعض اراکین اسمبلی بھی نالاں دکھائی دیتے ہیں ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا شمار وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کے قریبی لوگوں میں ہوتا ہے ویسے مشاہدے میں بھی یہی آیا ہے کہ شہباز شریف کے ساتھ کام کرکے کسی شہر میں تعینات ہونے والے ڈی سی اوز کچھ زیادہ زہریلے" واقع ہوتے ہیں اور ان کا ڈسا پانی بھی نہیں مانگتا، سو ان صاحب کے متاثرین" میں چند سو روپے کے دیہاڑی دار ایک عام چھابڑی والے سے لے کر لاری اڈے اور ماڈل ٹاؤن مارکیٹ کے دوکاندار ہی نہیں منتخب اراکین اسمبلی بھی شامل ہیں، ان سے زیادہ تگڑا بندہ تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ (جاری ہے

(صاحب کی عظمت کو سلام (حصہ دوم

کوئی بھی سرکاری افسر جب اپنے عہدے پر براجمان ہوتا ہے تو کرسی پر بیٹھ کر اختیار کی پیڑ اٹھنے کی وجہ سے اسکی گردن میں اکڑاؤ آ جانا خلاف معمول نہیں اور یہ مرض عام ہے اسی سے اختیارات کے نا جائز استعمال کی راہیں کھلتی ہیں۔اگلے روز ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے سینئر ممبران انہیں ''خراج تحسین'' پیش کر رہے تھے کہ موصوف پہلے ڈی سی او ہیں جنہوں نے ایک طرف تو تجاوزات ہٹانے کے لئے شہر میں کئی آپریشن کرائے ہیں اور دوسری جانب خود تجاوز کرتے ہوئے ڈی سی او ہاؤس کی دیوار سرلب سڑک اٹھا دی ہے، جنرل بس سٹینڈ میں ایک مدت سے کرائے پر چڑھائی جانے والی دوکانوں کی نئے سرے سے بولی لگوانے اور دوکانداروں کو ہراساں اور بے روزگار کرنے کا سہرا بھی انہی کے سر ہے حالانکہ صاحب ضد کی بجائے چاہتے تو کرایوں کو با آسانی ری شیڈول کرکے ریونیو بڑھا سکتے تھے لیکن سرکار کے ریونیو میں اضافے کے نام پر اسکی عوام میں مقبولیت کو تہس نہس کرنے کا فیصلہ کیوں ضروری تھا اسکی کسی کو سمجھ نہیں آئی اور تو اور لاری اڈے کے متاثرین جو تکنیکی بنیادوں پر ''ناک آؤٹ'' کئے جانے کے بعد داد رسی کے لئے مارے مارے پھر رہے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ صاحب نے دوکانوں کی بولی کے دوران بڑی بڑی بولیاں لگانے کے لئے جعلی کرائے دار بھی کھڑے کر دیئے اس نیک

کام کا واحد مقصد پرانے دوکانداروں سے دوکانیں خالی کرانا تھا جو ان فرضی کرائے داروں کی ناقابل ادائیگی بولیاں سن کر ہونق ہو کر رہ گئے۔ ہم سب دن رات بجلی غائب ہونے کا تماشہ دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں مگر گوجرانوالہ میں فلائی اوور کے مثالی منصوبے کی تکمیل کے لئے اتاری گئی سولر لائیٹس ہی غائب کر لی گئیں اور کروڑوں روپے کی یہ لائیٹس افسران کی ملی بھگت کی نذر ہو گئیں اور کچھ پتا نہیں کہ اس معاملے پر ہونے والی انکوائری کا کیا بنا، لائٹس برآمد ہوئیں یا نہیں لیکن ان کا یوں غائب ہی ہو جانا بھی فرض شناس انتظامیہ کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ سے کم نہیں، گوجرانوالہ کی انتظامیہ یوں تو بڑی پھرتیلی ہے خاص طور پر سیاسی جماعتوں کے بینرز اور ہورڈنگ اتروانے میں تو کمال رکھتی ہے ویسے بھی بھلا شہر میں ایک بڑے صاحب کے ہوتے ہوئے کسی اور کے لئے کہاں کوئی گنجائش بچتی ہے کئی سیاسی کارکن اپنے اپنے اشتہاری بورڈز کے ضبط کئے جانے کے غم میں اب تک بڑبڑاتے پھرتے ہیں حالانکہ ان معصوموں کی اگر یہ خواہش تھی کہ ان کے بورڈز نہ اتارے جائیں تو انہیں بڑے صاحب کی بڑی تصویر والے بورڈز تیار کرانے کے بارے میں غور کرنا چاہئے تھا اور تبرک کے طور پر ساتھ ہی آر پی او اور سی پی او کی باوردی تصویر لگانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا پھر کس کی مجال تھی کہ کوئی ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ بھی سکتا، اسی پھرتیلی انتظامیہ کی کارکردگی کی حالت یہ ہے کہ گوجرانوالہ کی سڑکوں پر جہاں شہری دن رات لٹتے ہیں اور بغیر شکایت کئے خالی جیبیں لے

کے چپ چاپ گھر چلے جاتے ہیں، اپنے لٹنے کی ایف آئی آر تک درج کرانا کار لاحاصل سمجھتے ہیں اور جو اندھیروں کو اپنا نصیب سمجھ کر معمولات زندگی کے لئے روشنی کے بغیر ہی ٹامک ٹوئیاں مارنے کے عادی ہو چکے ہیں انتظامیہ کے نزدیک سٹریٹ لائٹس کی تنصیب جیسی بنیادی اور معمولی سہولت کے حقدار بھی نہیں ہیں کیونکہ ان افسران کے نزدیک عوام کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہیں اور ویسے بھی جب زیادہ تر بھیڑ بکریاں سرکاری افسران کے گرد" میں میں" کرتی رہیں تو باقی ماندہ کے لئے لائیٹنگ کا انتظام ضروری نہیں رہ جاتا۔ (جاری ہے)

کیسے کیسے بیانات

ہمارے اخبارات ہر روز مختلف قسم کے بیانات سے بھرے ہوتے ہیں، جلے کٹے بیانات ،غصیلے بیانات،انتقامی بیانات ،بیانات کے جواب میں بیانات لیکن ان سب میں بعض بیانات ایسے بھی بھی ہوتے ہیں جو سنجیدہ ہونے کے باوجود مزاحیہ بیانات محسوس ہوتے ہیں جنہیں پڑھ کر بے ساختہ لبوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے ، ان میں سیاسی بیانات کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے،اخبارات کے مستقل قارئین تو ان شخصیات کے بیانات سے بے حد محظوظ ہوتے ہیں جو اپوزیشن میں ہوں تو کچھ اور طرح کے اور حکومت میں ہوں تو بالکل بر عکس بیانات دیتے ہیں مثال کے طور پر مشہور سیاسی نجومی شیخ رشید کے آج کل کے ہر بیان میں ملک تباہی کے دہانے پہ کھڑا نظر آتا ہے جبکہ کچھ سال پہلے وہ'' سید مشرف'' کے وزیر اطلاعات تھے ان دنوں بقول ان کے ملک کو ترقی کے پَر لگے ہوئے تھے ،بہت سے بیانات ایسے بھی ہوتے ہیں جو سوالیہ انداز میں دیئے جاتے ہیں لیکن ان میں بعض بیانات خود ہی اپنا جواب بھی ہوتے ہیں، چند بیانات پر مبنی ایک انتخاب تبصروں کے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں جو بظاہر تو سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں مزاح کی چاشنی بھی واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔

تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے کہا ہے کہ ''خواجہ آصف نے قومی اسمبلی میں مجھے ذلیل نہیں کیا بلکہ اپنی اوقات دکھائی، ایسی زبان کوئی تلنگا بھی نہیں بولتا'' بے شک عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، البتہ خان صاحب قومی سیاست کے وہ'' بھولے بادشاہ'' ہیں جنہیں بات اور صورتحال کی سمجھ دیر سے آتی ہے، تحریک انصاف کواسمبلیوں سے اڑن چھو ہونے کی بھی بہت جلدی تھی اور واپسی کے لئے بے تابی بھی بہت، یوں بھی خان صاحب کی یادداشت قابل رشک نہیں اسی لئے ان کی اور انکے ساتھیوں کی جانب سے اسمبلیوں، جمہوریت اور وزیراعظم کو جن الفاظ سے کنٹینر پر کھڑے ہوکر یاد کیا جاتا رہا انہیں بہت جلد بھول گیا انہوں نے اسمبلیوں میں واپسی بھی سوچے سمجھے بغیر کی، اسمبلی میں قدم رنجہ فرمانا اس قدر مشکل ثابت نہ ہوا البتہ خان صاحب کی میڈیا کے ساتھ'' اٹکھیلیاں'' کرنے کی عادت دھرنے کی ''تپیا'' نے اس قدر پختہ کر دی ہے کہ اجلاس کے دوران اسمبلی کے باہر میڈیا سے کھیلنے سے باز نہ رہ سکے سو خواجہ آصف'' جو ہے جو ہے'' کرتے ہوئے خان صاحب اور انکی جماعت پر چڑھ دوڑے اور ''پارلیمانی دید لحاظ'' کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہیں کھری کھری سنا ڈالیں جن کی خان صاحب تو کیا شاید پارلیمنٹ میں موجود کسی رکن کو بھی توقع نہ تھی خیر جو ہونا تھا ہو گذرا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایک تو خان صاحب اپنی غلطیوں سے سیکھتے نہیں اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ تھوک کے حساب سے غلطی پر غلطی کرتے چلے جارہے ہیں سو انکی سیاست کا گراف جو اگر کسی حد تک بڑھا

بھی تھا اب تیزی سے تنزلی کی جانب گامزن ہے مگر انہیں اس کا احساس نہیں، ہماری سیاسی تاریخ گواہ ہے کہ قریبی رفقاء کی جی حضوری کی عادت لیڈر کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، عمران خان کے پاس تو ویسے بھی مخلص ساتھیوں کی آسامیاں تا حال خالی ہی ہیں، تحریک انصاف کے سر پر اسمبلیوں سے غیر حاضری پر رکنیت ختم ہونے کا خطرہ منڈلا رہا ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ خان صاحب کے پاس سوائے دھاندلی کا شور کرنے کے اور کوئی لائحہ عمل موجود نہیں، اس لئے ان سے ''اوئے سپیکر جو کرنا ہے کر لو'' کی پالیسی'' کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی تھی عمران خان کا'' کراچی کے جلسے میں ایک تازہ بیان سامنے آگیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے ''کہ اسمبلیوں میں گیدڑ بیٹھے ہیں ''اب اس غیر پارلیمانی بیان پر تبصرہ ہم قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔

پنجاب کے نیک نیت وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف نے کہا ہے کہ '' عوام کو زہر آلود اشیاء بیچنے والوں کی جگہ جیل ہے، ملاوٹ کرنے والے کسی رعایت کے مستحق نہیں'' میاں صاحب آپ کے جذبے کو سلام لیکن ہمارے یہاں تو ملاوٹ والے جیلوں کی بجائے محلوں اور بنگلوں میں رہتے ہیں، مرچوں میں اینٹیں آٹے میں سوکھی روٹیاں شامل کرنا معمول کی بات ہے، مشہور مٹھائیاں بنانے والے کپڑوں کو رنگنے والا رنگ استعمال کرتے ہیں اور منہ مانگے داموں مٹھائیاں بیچ ڈالتے ہیں، کہیں کوئی روک ٹوک نہیں، قانون پر عملدرآمد کرانے والے

مٹھائیوں کی ٹوکریوں کے عوض دن دیہاڑے ایمان فروخت کرتے پھرتے ہیں، میاں شہباز شریف کا حکومت چلانے کا زیادہ تر انحصار اسی بیوروکریسی پر ہے جو ان ملاوٹ کرنے والوں کی حقیقی محافظ ہے، اس لئے میاں صاحب افسر شاہی نامی بلائیں دور کرنے تک ملاوٹ والوں پر ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں، اس لئے پرائس کنٹرول ہوں یا کوالٹی کنٹرول کمیٹیاں سب ڈھکوسلہ ہے۔

پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ ”پہلے پاکستان اور پھر سعودی عرب کی مدد کی جائے۔“ زرداری صاحب سب سے پہلے پاکستان کی بات کرکے پاکستانیوں کے زخم تو ہرے نہ کریں عزت مآب پرویز مشرف صاحب جن کی شان میں گستاخی“ کی سزا حکومت کو کئی ماہ کے دھرنے کی شکل میں بھگتنا پڑی ہے سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگا کر ملک کو دہشت گردی کی اس آگ میں جھونک گئے تھے جسے قوم کے بیٹے آج تک اپنا خون چھڑک کر بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں، مشرف صاحب وہ قیدی ہیں جن پر ملکی تاریخ کا سنگین ترین مقدمہ قائم ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ خواجہ سعد رفیق جیسے بڑبولے بندے کو بھی ان پر تنقید کرنے کی اجازت نہیں، سو یہ صاحب تو جمہوریت کے ثمرات سے بھرپور مستفید ہو رہے ہیں، رہی بات سعودی عرب کی تو مکہ اور مدینہ کے ساتھ رشتے کی خاطر ہر تعلق واسطہ اور مفاد قربان کیا جا سکتا ہے اس لئے یمن معاملے پر جس کو پاکستان کے مؤقف کی سمجھ نہیں آ رہی اس سے زیادہ نادان کوئی نہیں ہو سکتا۔

زرداری صاحب آپ کی جماعت کبھی وفاق کی نمائندہ ہوا کرتی تھی آپ اسے فرقوں میں تقسیم کرکے اور محدود نہ کریں اور یمن کے معاملے میں بھی تنگ نظری کا ثبوت نہ دیں۔ ویسے بھی آپ نے اپنے پانچ سالہ ''دور مفاہمت'' میں ملک قوم کی جتنی خدمت کی ہے وہ بھی ناقابل فراموش ہے تاریخ میں آپ کا نام بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بیوروکریسی کی بھی کھال اترنی چاہئے

کسی نے سوچا تک نہیں تھا کہ کوئی عائشہ ممتاز آئے گی اور ملاوٹ کرنے اور گوشت ،دودھ کے نام پہ گند بیچنے والوں کی بھی کوئی باز پرس ہو گی ۔عائشہ بی بی کے چھاپوں نے جہاں اس گھناؤنے دھندے پر سے پردہ اٹھایا ہے وہیں اس نے محکمہ در محکمہ پھیلے ہوئے اس ’’ نظامِ رشوت ‘‘کے منہ پر بھی جھانپڑ رسید کیا ہے جس میں غریب ملک کی عیاش مزاج بیوروکریسی سب اچھا کی رپورٹ دے کر حکومت کی آنکھوں میں ہر روز دھول جھونکتی ہے ۔پنجاب فوڈ اتھارٹی کے چھاپوں کے بعد گوشت خوروں کے لئے مسلسل .بری خبریں آرہی ہیں اور رکنے کا نام ہی نہیں لے رہیں ۔حرام اور مضر صحت گوشت کی خرید و فروخت کا یہ دھندہ ان افسران کی ناک کے نیچے جاری ہے جن کی پر تعیش زندگی میں اس ملک کے پسے ہوئے طبقے کا بھی ٹیکس شامل ہے اور جو کبھی کبھار ہی گوشت کھانے کی جرات کرتا ہے لیکن گوشت کے نام پر بکتی بیماریوں نے اسے اب اس قابل بھی نہیں چھوڑا کہ اب وہ گوشت خریدنے کا سوچ بھی سکے ۔حرام و مضر صحت گوشت کی فروخت سے پردہ تو اٹھا ہے لیکن شاید ابھی اس بات کو سامنے لانے کی زیادہ ضرورت باقی رہ گئی ہے کہ کرپٹ بیوروکریسی کے مالی مفادات کی وجہ سے یہ دھندہ خوب چمکا ہوا تھا یہاں تک کہ پنجاب کے کئی شہروں میں تو سؤر کا گوشت بھی بک رہا تھا۔اس حوالے سے صورت حال

اتنی بھیانک ہے کہ یہ کہنا اب بہت مشکل ہے کہ ہم میں سے نہ جانے کون کب اور کہاں گدھے سمیت کن حرام جانوروں کا گوشت کھا کر مزے سے ڈکار مارتا رہا ہے اور چھوٹے بڑے ریسٹورنٹس میں کس نے خدا خوفی کی اور کس نے محض مال بنانا ہی افضل جانا کچھ پتا نہیں، گوشت کا روبار کرنے والا ایک دوست بتا رہا تھا کہ انتہائی مضر صحت گوشت تو مارکیٹ میں آتا ہی نہیں بلکہ اسے مکمل رازداری کے ساتھ براہ راست ہوٹلوں میں پہنچایا جاتا ہے اور گوجرانوالہ میں اس گوشت کو ہوٹل مالکان 180 سے 200 سو روپے کلو کے حساب سے انتہائی سستے داموں خریدتے ہیں اس گوشت سے بعض اوقات سڑاند بھی آ رہی ہوتی ہے جسے لہسن پیاز اور دیگر مسالے ڈال کر ختم کیا جاتا ہے، محکمہ لائیو سٹاک کے افسران نے بازاروں میں مضر صحت اور پانی لگا گوشت فروخت کرانے کے لئے دوکانداروں کو مہریں بنوا کر دے رکھی ہیں جو خود ہی اس گوشت پر ٹھوک کر اسے چوک چوراہے میں لٹکا کر سر عام بیچتے ہیں، آپ نے بھارتی فلم ''اینا مینا ڈیکا'' کا نام اور چرچا تو سن رکھا ہو گا لیکن ہمارے بازاروں میں نوزائدہ بچھڑے کا گوشت بھی فروخت کیا جاتا ہے جسے ''ڈیکا'' بولتے ہیں، اسی طرح بوڑھے لاغر اور بیمار جانوروں کے گوشت کو بھی مہریں لگا لگا کر اور جعلی پرچیاں بنا کر سر عام فروخت جاتا ہے گوجرانوالہ کے مذبحہ خانے کے بھی بڑے چرچے ہیں سنا ہے کہ اس قدر گندا اور بدبو دار ہے کہ وہاں گندگی میں کیڑے چل رہے ہوتے ہیں لیکن ان افسران کی ناک چونکہ سکہ رائج الوقت سے بند کر دی گئی ہوتی ہے اس لئے اس بدبو کو سونگھنے

سے قاصر رہتی ہے ۔خادم پنجاب کو اعتراف کرنا ہو گا کہ بیورو کریٹس کی ان کی ٹیم زیادہ تر روایتی نالائقوں سے بھری ہوئی ہے کیونکہ اگر عائشہ ممتاز کام کرکے دکھا سکتی ہے تو آخر باقی افسران کو کیا بیماری ہے کہ وہ اپنے ٹھنڈے کمروں سے باہر نکلنے کو تیار نہیں ہیں، جو بھی ہو گوشت اتنا بدنام ہو گیا ہے کہ بعض وہی لوگ اب واقعی عید کے عید ہی گوشت کھانے کی ہمت کریں گے اور سارا سال گوشت سے کنی کترا کے گزر جایا کریں گے ۔پنجاب میں ہر روز بہت بڑی تعداد میں گدھوں کی کھالیں اتر رہی ہیں جو اب اس منظم جرم کے سامنے آنے کے بعد اس میں ملوث اس کرپٹ مافیا کی اترنی چاہئیں جو اس سارے کھیل کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

یہ تو تھی گوشت کی بپتا لیکن بات یہاں تک ہی ختم نہیں ہوتی بیورو کریسی کے مزید کارناموں سے بھی حکومت کی ''نیک نامی'' میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اوور بلنگ کا یہ عالم ہے کہ ایک دو بتیاں اور ایک پنکھا چلانے والے مسکینوں کو بھی پندرہ بیس ہزار بل بھجوا دیا گیا ہے اس پر بل ٹھیک کروانے کے لئے دفتروں میں دھکے کھانے والوں کے ساتھ گیپکو افسران کا رویہ اس قدر خراب ہے کہ انہیں بھکاریوں کی طرح دھتکارا جا رہا ہے ،اوور بلنگ براہ راست عوام کے سر پر بم پھوڑنے کے مترادف ہے اور اس میں ملوث افسران اور عملہ کو سزا دینے کے ساتھ ساتھ گیپکو چیف کو چاہئے کہ وہ ایکسئین اور ایس ڈی او حضرات کو بلا

کر سمجھائیں کہ وہ پولیس جیسی بد اخلاقی کی راہ پر نہ چلیں اور اخلاقیات کا کچھ لحاظ کر لیا کریں اور اگر معاملات کو بہتر انداز میں چلانا آپ کے بس میں نہیں تو عہدے سے سبکدوش ہو جائیں، ویسے بھی عوام بد دعائیں تو ہر وقت آپکے ساتھ ساتھ رہتی ہیں، بد دعاؤں سے یاد آیا کہ گوجرانوالہ کے تاجروں نے پچھلے دنوں بنک ٹرانزیکشن ٹیکس کے خلاف یوم بد دعا منایا، حکومت کے لئے یہ لمحہ ء فکریہ ہونا چاہئے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے اندرونی و بیرونی حالات کے پیش نظر حکومت کو بد دعاؤں کی نہیں عوام کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے، اسحاق ڈار پہلے دن سے کاروباری طبقے میں غیر مقبول ہیں، بنکوں کا بیڑہ غرق کرنے اور کاروباری برادری کو تکلیف پہنچانے کی بجائے تاجروں کو بٹھا کر ٹیکس نیٹ میں اضافے کے لئے صلاح مشورہ کر لیا جائے تو کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا، حکومتوں کو ضد زیب نہیں دیتی مگر اسحاق ڈار کو یہ بات شاید سمجھ نہیں آ رہی ہے۔

دسمبر برا ہے نہ پاکستان

ہم من حیث القوم دسمبر کے مہینے کو رنج والم کا مہینہ قرار دے چکے ہیں اس لئے ٹی وی زیادہ دیکھنے والے پاکستانیوں کو اب ماہ دسمبر کی ہر صبح سے ڈر لگتا ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہوجائے، انہی خدشات میں مبتلا سولہ دسمبر کی صبح بیدار ہوا، اخبار پکڑا تو معصوم شہیدوں کے چہرے دیکھے نہیں گئے، کلیجہ کٹنے لگتا ہے، عام طور پر میں اب ان ٹی وی پروگراموں سے بھی بچتا پھرتا اور کان لپیٹتا پھرتا ہوں جن میں پاکستان کو ناکام ریاست ثابت کرنے والے حکومت کو ہر روز رخصت کرکے سوتے ہیں لیکن اس سے اگلے ہی روز وزیر اعظم اور انکی ٹیم کا کوئی رکن ملک میں کسی نہ کسی نئے منصوبے کا سنگ بنیاد رکھ رہا ہوتا ہے۔ پھر ان سب کی مایوسی دیکھنے والی ہوتی ہے، لیکن آج ٹی وی پر شہدائے پشاور کی یاد میں منعقد کی جانے والی تقریب دکھائی جانی تھی سو ٹی وی آن کیا تو وزیر اعظم نواز شریف کا مغموم چہرہ سامنے تھا جس پر 16 دسمبر کے اس سانحے کی داستان کرب کا ایک ایک لفظ صاف پڑھا جا سکتا تھا، محسوس ہوا کہ اس سانحے نے انہیں پہلے سے کہیں مضبوط بنا دیا ہے، جگر گوشوں سے بچھڑ کر اپنے حال پر صابر و شاکر دھرتی کی ان عظیم ماؤں سے مخاطب اپنے ملک کے پر عزم وزیر اعظم کو دیکھ کر 16 دسمبر کے دن کی نحوست آہستہ آہستہ چھٹنے لگی اور پھر انہوں نے نہ صرف

اس خوف کے دن کا عنوان بدل ڈالا بلکہ میرے دل کی حالت بھی ،اس اندوہناک سانحے کے دن کو انہوں نے ''قومی عزم تعلیم کا دن ''قرار دے دیا اور اے پی ایس کو شہداء یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا وہ چٹان جیسے مضبوط لہجے میں قوم سے مخاطب تھے اور شہداء کے ورثاء کے ساتھ ایک عہد کی تجدید کرتے نظر آئے۔

''شہید بچوں کے لہو کا حساب لیں گے ،شہدا کے لہو نے ملک کی سمت متعین کر دی، علم کی شمع بجھانے والوں کو ختم کر دینگے ،وہ دن دور نہیں جب دہشت گردی کا ناسور ملک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا''

وزیر اعظم کا پر یقین لہجہ انکی سچائی اور ارادے کی پختگی کی گواہی دے رہا تھا ،ان کا ایک ایک لفظ میرے دل میں اتر رہا تھا، مجھے یقین ہونے لگا کہ ہم دہشت گردی اور انتہا پسندی کے عفریت سے نجات پانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہمارے ملک کا مستقبل ہمارے آج سے بہت مختلف ہوگا ،اسی دم مجھے ان مایوسی پھیلاتے جعلی دانشور نما ان ٹی وی اینکرز پر غصہ آنے لگا جنہیں شاید تنخواہ ہی مایوسی پھیلانے کی ملتی ہے وہ اپنا پورا زور اپنے ملک اور قوم کو کمتر ثابت کرنے میں لگا رہے ہوتے ہیں ،انہیں یہ کام کرتے ہوئے کبھی احساس نہیں ہوا کہ ہمارا ملک کتنی عظیم قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا تھا تب سے لے کر اب تک قربانیاں ہیں کہ رکنے کا نام نہیں لے رہیں مگر انہیں ان، قربانیوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں، دوسری جانب انتہا درجے کی مصیبتیں

اور خاندان سمیت جلاوطنی کی صعوبتیں کاٹ کر 14 سال بعد اقتدار میں آنے والے وزیر اعظم کو اپنی آنکھوں کے سامنے ایک روشن صبح نظر آ رہی ہے ،برف سے ڈھکے پہاڑوں، سمندروں کی گہرائیوں، آسمانوں کی وسعتوں اور گھنے جنگلوں میں قوم کی بقاء کی جنگ لڑتے ہوئے میرے جوانوں کا سپہ سالار مسلسل کامیابیاں حاصل کر رہا ہے وہ ہر روز دشمن کو للکار رہا ہے اور دشمن ہماری آنکھوں کے سامنے ڈر کے بھاگ رہا ہے مگر نرم بستروں میں خواب خرگوش کے مزے لینے اس فتح کو شکست ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے مایوس دانشوروں کی آنکھیں یہ مناظر دیکھنے سے قاصر ہیں، آنسوؤں سے شرابور چہرے لئے ننھے فرشتوں کو اپنے ہاتھوں سے مٹی کے سپرد کرتی انتہائی صابر و شاکر ثابت قدم مائیں اپنے بیٹے قطار اندر قطار کھڑی وارتی چلی جا رہی ہیں میرے وطن کی یہ مائیں کتنی عظیم ہیں جو اپنے ہاتھوں سے بیٹے وار رہی اور صبر کر رہی ہیں یہ مائیں کسی گئی گزری قوم کی نہیں ہو سکتیں اور میری دھرتی جنا رے اٹھا اٹھا کر نہ تھکنے والے جوانوں کی دھرتی ہے ، شہیدوں کو سلیوٹ کرتے میرے وطن کے جوان دل میں شہادت کا جذبہ اور آرزو لئے ہوئے ہیں کیا کسی ناکام ریاست اور عام سے ملک کی مائیں اتنی بڑی قربانیاں دے سکتی ہیں کیا اپنی جوانیاں نچھاور کرنے کے خواہشمند جوان کسی اور قوم کے پاس موجود ہیں ،ہماری مائیں کسی عظیم مقصد کے بغیر اپنے بیٹے یونہی نہیں قربان کرتی چلی جا رہی ہیں انکی قربانیوں کے فلسفے کو سمجھو، غور کرو اور سچ ہے کہ ”دنیا بنی ہی غور کرنے والوں کے لئے ہے اور ان

دانشوروں" ہی نہیں منتخب ایوانوں میں بیٹھے سیاستدانوں سے بھی وطن کی آزادی سے لے کر اسکی بقاء کے لئے دی گئی ہر قربانی تقاضا کرتی ہے کہ اپنے عظیم ملک کو بنانے والوں اور بچانے والوں کو پہچانو،اغیار کی مثالیں دے دے کر اپنے ملک کو اپنی قوم کو کوسنا بند کرو، بدکلامیوں سے قوموں کی تعمیر ہوتی ہے نہ ملک آگے جاتے ہیں اور نہ نیا پاکستان ہی اس طرح وجود میں آسکتا ہے اپنے ملک کو محبت کی نظر سے دیکھنا شروع کرو تمہیں بہت کچھ ٹھیک لگنے لگے گا اپنے ملک کو بات بے بات بے وجہ ہی گالی دینے اور اسکو توڑنے ،بند کرنے کی دھمکیاں دینے والے اپنی کوتاہیوں، نالائقیوں ،ھڈ حرامیوں کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرنے والو ایک مرد قلندر کی وزارت عظمیٰ کو بھی تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرلو قدرت نے جسے 3 بار یہ منصب دیا ہے۔ حسد، بغض، کینے سے نجات پاؤ اور اس میں رب کی مصلحت کو تلاش کرو ہمارے خیالات سوچیں اور عمل اچھا برا ہو سکتا ہے مگر کوئی مہینہ کوئی دن نحس نہیں، سوچو ہم دسمبر بھی برا نہیں ، بارہ کے بارہ مہینے ہم سے سچائی ، کردار اور اچھائی کا تقاضا کرتے ہیں گالی تو گالی ہیجنوری میں دی جائے یا دسمبر میں نفرت پھیلانا اور گالی دینا بند کرو تو یہ مہینہ بھی اچھا ہو جائے گا اور ملک کے لئے قربانی کا بھی کوئی مخصوص مہینہ یا دن مقرر نہیں قربانی تو قربانی ہے ہر موسم محبت اور قربانی کا ہے اور ہم چاہیں تو ملک کے لئے ہر روز قربانی دے سکتے ہیں ہر وقت اس جذبے کو فروغ دے سکتے ہیں اسی طرح چاہیں تو بارہ مہینے مایوسی پھیلاتے پھریں دسمبر،

.برا ہے نہ پاکستان.برا جو کوئی بھی ہے ہمارے اندر موجود ہے اسے نکال دیا تو ہم سب بھی پاک وطن کے پاک شہری بن جائیں گے دنیا کے ملکوں کی مثال دے کر ملک ، نظام سیاست اور عوام کے منتخب کئے گئے اداروں کو گالی دینے والوان ملکوں کی مثال بھی، نظر میں رکھو جنہوں نے ایٹم بم کھا کر پھر حوصلے ہمت سے ترقی کی منازل طے کیں میرا وطن میری دھرتی تو بڑی پاک ہے اسکی بنیادوں میں لا الہ الااللہ کانعرہ لگانے والوں کالہو شامل ہے ، اسلئے اسے نفرتوں سے پاک کرو، اسے ذاتی خواہشات کی بھینٹ مت چڑھاؤ، ہمارے دکھ اور سکھ سانجھے ہیں انہیں محسوس کرو، کوئی پتھر ہو تو الگ بات مگر معصوم شہیدوں کو یاد کرکے ہر آنکھ روئی ہر دل تڑپا ہے اور کلیجے میں درد کی لہریں اٹھتی محسوس ہوئی ہیں اس اذیت، درد کی اس لہر اور اسکی ہر ٹیس سے ہم نے قوت حاصل کرنی ہے ، جس سے ایک نئی قوم وجود میں آئے گی ، یہ طے ہے کہ اس قوم کو کوئی شکست نہیں دے سکتا ، شہادت کے اس جذبے کو ہار ہو ہی نہیں سکتی ، حق نے غالب آنا ہے کہ خالق نے حق کے لئے غلبہ متعین رکھ چھوڑا ہے تو ہمیں کون ہرا سکتا ہے ؟پان کی پیک سے لے کر غلیظ خیالات کی گندگی سے وطن کے گلی کوچوں اور اسکی ناموس کو داغدار کرنے والے میرے بھٹکے ہوئے ہم وطنو اپنے رستوں ، گلی کوچوں اور بازاروں سے محبت کرنا سیکھو اور دل میں اس محبت کی شمع کو روشن کرو یہ محبت کی شمع جل اٹھی تو اپنے درودیوار کو داغدار کرنے کی ہمت نہیں پڑے ہوگی، بس اس شمع محبت کو حرص و ہوس ، بغض اور نفرت کی ظالم ہواؤں اور آندھیوں سے بچا کر

رکھنا ہوگا اور آنے والے روشن کل کی کرنوں کو محسوس کرنا ہوگا امید سے بھی بڑھ کر یقین رکھنا ہوگا کہ ان لازوال اور بے مثال قربانیوں کے بعد آنے والا ہمارا کل بہت روشن ہے۔

پاکستان اور بھارت اب اگلے 70 سال کا سوچیں

میڈیا کے ''بازی گر'' ہوں یا پاکستان اور بھارت کے نامی گرامی سیاسی پنڈت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کچھ عرصہ پہلے تک پاکستان پر گرجنے والی بھارتی وزیر اعظم یوں اچانک پاکستان آ پہنچیں گے اور پاکستانی وزیر اعظم میاں نواز شریف کی رہائش جاتی عمرہ میں دونوں وزرائے اعظم کے درمیان ایک انتہائی خوشگوار ماحول میں ملاقات ہوگی اور جب سوشل میڈیا پر بھارتی وزیر اعظم کی ٹویٹ کے بعد ٹی وی پر نریندر مودی کی آمد کی خبریں دی گئیں تو بھارتی میڈیا کی مارے حیرت کے چیخیں ہی نکل گئیں اور بھارتی اینکرز پر حیرت کے جیسے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑے جبکہ پاکستان میں ایک دو حکومت ''دشمن'' چینل کے علاوہ دیگر چینلز نے اس ملاقات پر مثبت رپورٹنگ اور تبصرے نشر کرنے شروع کئے فوری طور پر رد عمل میں اپوزیشن لیڈروں عمران خان اور شیریں رحمان نے بھی اس ملاقات پر مثبت رد عمل دکھایا بعد میں عمران خان نے حسب روایت موقف پر پلٹا بھی کھایا اور تنقید کے لئے ایک کاروباری شخصیت کے دونوں وزرائے اعظم کے درمیان رابطوں کو بنیاد بنا لیا، یوں بھی بد قسمتی سے پاک بھارت تعلقات کی تاریخ ہی ایسی ہے کہ لڑائی لڑتے رہنے کے لئے ایک سو ایک وجوہات مل سکتی ہیں اور دونوں ممالک کے درمیان سرحدی کشیدگی بھی معمول کی بات ہے لیکن وزیر اعظم نواز شریف کے

دو ادوار حکومت میں دو بھارتی وزراء اعظم پاکستان تشریف اس بات کی غماز ہے کہ وہ نہ صرف خطے میں امن قائم کرنے اور دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی ختم کرانے میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ بھارت میں بھی حکومتی سطح پر ان کی امن کوششوں کا مثبت رد عمل موجود ہے ، نریندر مودی سے پہلے سابق بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی بھی میاں نواز شریف کے قائل نظر آتے تھے جب وہ بس پر سوار ہو کر مینار پاکستان آئے تھے اور پہلی بار پاکستان کو باقاعدہ تسلیم کیا لیکن قسمت نے میاں نواز شریف کو موقع نہ دیا اس وقت کی عسکری قیادت ان سے خفا ہوئی اور پھر کارگل برپا ہوا جس کے بعد انہوں نے حکومت گنوائی اور خاندان سمیت جلا وطن ہوئے ۔نریندر مودی حالیہ دورہ ء پاکستان اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان تنازعات اپنی جگہ موجود رہنے کے باوجود اس سے کشیدگی واضح طور پر کم ہوئی ہے اور امن کی نئی امید پیدا ہو گئی ہے ۔اب بھی پاک بھارت دوستی کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں حائل ہیں اور ایسے سنگین مسائل منہ کھولے کھڑے ہیں جو دونوں ملکوں کے قریب آنے میں رکاوٹ ہیں کشمیر کا مسئلہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا حل 70 سال پر محیط پاک بھارت دشمنی کو دوستی نہ سہی لیکن امن اور آشتی میں ضرور بدل سکتا ہے، جو ٹی وی اینکرز اور دانشور امن مذاکرات کی مخالفت اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ دونوں جانب سے بے شمار جانیں دی اور لی جا چکی ہیں وہ بتائیں کہ کیا ہم پچھلے 70 برس کی طرح اگلے 70 برس بھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہی رہیں گے اور

لاشیں گراتے رہیں گے یا یہ کہ اپنے تنازعات ختم کرکے اپنے اپنے ملکوں کے کروڑوں غریب عوام کو تعلیم، صحت اور پینے کے صاف پانی جیسی بنیادی سہولیات کی فراہمی کو ممکن بنانے کی کوشش کریں؟ بھارت وزیر اعظم کا دورہ تپتی دھوپ میں یخ بستہ ہوا کی مانند ہے خدا کرے اس اس سے محبت، بھائی چارے اور امن کی خوشبو پھوٹے اور دونوں ممالک کے عوام مستقبل میں لڑنے کی بجائے اچھے ہمسایوں کی طرح ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکیں۔

اندھے قانون کی اندھی پولیس

خبر ہے کہ گوجرانوالہ میں کرائم ریٹ ایکدم بڑھ گیا ہے اور چوری ، راہزنی ، ڈکیتی و قتل کی وارداتوں میں مسلسل اضافہ دیکھا جا رہا ہے اعلیٰ پولیس افسران کے لئے موجودہ صورتحال درد سر بن گئی ہے یہ بات اپنی جگہ کتنی ہی درست کیوں نہ ہو لیکن بجائے اسکے کہ '' پولیس اور مجرم گٹھ جوڑ '' توڑنے اور جرائم کی سرپرستی روکنے کے لئے پولیس افسران اپنی منجی تلے بھی ڈانگ پھیرنے کی زحمت کرتے اس صورت حال کا واحد حل یہ نکالا گیا ہے کہ ریکارڈ یافتہ مجرموں جن میں سے کئی توبہ کر چکے اور کئی اپنی سزائیں بھی بھگت چکے ہوں گے کو پکڑ کر '' کٹاپا '' چڑھایا جا رہا ہے اور تھانوں سے چیخوں بھری '' موسیقی '' کی صدائیں بلند ہونا شروع ہو چکی ہیں ، گوجرانوالہ میں تعینات پولیس افسران عام طور پر بہت اچھے مقررین اور دانشور بھی ہوتے ہیں اور شہری بھی انکی مداح سرائی میں کوئی کمی نہیں رکھتے اور تعریفوں کے پل باندھنے والوں میں ہمارے تاجر اور صنعتکار بھائیوں نے بھی کبھی کنجوسی نہیں دکھائی انکی تقریروں سے گاہے بگاہے پتا چلتا رہتا تھا کہ پولیس اب جدید انداز میں تفتیش کرتی ہے اور یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ پولیس میں اب اوپر کی سطح پر پڑھے لکھے افسران کے آجانے سے بہت تبدیلی آ گئی ہے اور یہ کہ تفتیش کے پرانے طریقوں کو ترک کر کے

معاملات کی تہہ تک پہنچنے اور ان مجرموں تک رسائی کے لئے جدید ٹیکنالوجی خاص طور پر موبائل ڈیٹا کا سہارا لیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، موجودہ سٹی پولیس افسر وقاص نذیر کے بارے میں میری بھی اچھی رائے رہی ہے کہ پولیس افسر ہونے کے باوجود اچھے اخلاق کی دولت سے مالا مال ہیں لیکن انکی قیادت میں اب پولیس خود شہر بھر میں ڈاکوؤں کی طرح دندناتی پھر رہی ہے اور نجانے ریکارڈ یافتہ مجرموں کے نام پر کس کو کس کیس میں پکڑ کر کردہ اور ناکردہ گناہوں کی سزا دی جا رہی ہے کچھ پتا نہیں چل رہا، آپ ذرا اس شخص کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگائیں جو اپنے حالات یا ہوس زر یا کسی بھی اور وجہ سے کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھا ہو اور اسکی سزا بھگت چکا اور اب جرم سے توبہ کرکے اپنی زندگی شرافت سے گذار رہا ہو اسے دن دیہاڑے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی لے جائے اور تفتیش و چھان بین کے نام پر مار مار کر ادھ موا کر دے، نالائقی اور جہالت کی انتہا ہے کہ ہماری پولیس کے پاس اب بھی مار پٹائی کے علاوہ اقبال جرم کا کوئی اور طریقہ نہیں، پولیس کے یہ وہ مظالم ہیں جو اچھے بھلے انسانوں کو پکے مجرم بناتے اور خود کو بم باندھ کر پھاڑ دینے پر مجبور کرتے ہیں، جیلوں میں پڑے ہزاروں بے گناہ قیدی اندھی پولیس کی اس گندی تفتیش کی نذر ہو چکے ہیں جسکا پرلے درجے کا بدتمیز اے ایس آئی اپنی موٹی توند کو بھرنے کے لئے چند ٹکوں کے عوض بکتا ہے اور اسکے قابو میں آنے والا ملزم تمام عمر کے لئے چور ڈکیت یا فراڈیئے کا لیبل لگوا کر جیل چلا جاتا ہے جہاں

سے سزا ختم ہونے کے بعد بھی گوجرانوالہ پولیس کے حالیہ ایکشن کی طرح کبھی بھی دوبارہ دھر لیا جاتا ہے، آخر پولیس اپنا رویہ بہتر کیوں نہیں کرتی ؟ بھاری بھر کم تنخواہیں اور مراعات پولیس کا پیٹ بھرنے کے لئے ناکافی کیوں ہیں موٹر سائیکلوں پر سفر کرنے والے نوجوانوں کو کاغذات چیک کرنے کے بہانے گھیر کر انکی عزت نفس مجروح کرکے حکومت اور ریاست کے خلاف انکے دماغوں میں زہر بھرنے والی اس پولیس کے مسٹنڈے خود سارا دن سڑکوں پر بغیر نمبر پلیٹوں کی موٹر سائیکلوں ہی نہیں موبائیل گاڑیوں پر بھی گھومتے ہیں لیکن انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں اندھے قانون کی اندھی پولیس کی ناک تلے جوئے کے اڈے چل رہے ہیں، گوجرانوالہ کی پولیس آج تک شریف پورہ سے منشیات اور جسم فروشی کے اڈے ختم نہیں کر سکی ۔۔۔ کیوں ؟ ماڈل ٹاؤن میں ایک تگڑے ایس ایچ او تعینات ہوئے ہیں لیکن اب بھی مصدقہ اطلاعات ہیں کہ تھانے سے ملحقہ محلے کی کئی گلیوں میں سر عام ''پڑیاں'' بکتی ہیں ۔۔۔؟ جاہ و جلال والی پولیس کی نظریں تھانے کے ہمسائے محلے پر کیوں نہیں پڑتیں؟ (جاری ہے

(اندھے قانون کی اندھی پولیس (حصہ دوم

قانون کے ان نام نہاد محافظوں نے جرائم کی بیخ کنی کیا کرنی پولیس خود جرائم کی سرپرست بنی ہوئی ہے، شہر میں جہاں اور جس طرف بھی چلے جائیں منشیات کا کاروبار سر عام جاری ہے بلکہ کہ اگر کسی جگہ یہ دھندہ رک جائے تو پولیس خود اپنی نگرانی میں شروع کرواتی ہے کیونکہ اسے تو اپنا حصہ چاہئے، گوجرانوالہ ہی کے ہر دوسرے محلے میں ''میٹھے چاولوں کا کاروبار'' کرتی ہوئی آنٹیاں اور رانیاں وغیرہ موجود ہیں جو پولیس کی ملی بھگت اور سرپرستی میں جسم فروشی کا کاروبار دھڑلے سے کرتی ہیں اور اگر کوئی شریف محلے دار انکی شکایت کرنے تھانے کا رخ کرلے تو اسکی وہ درگت بنتی ہے کہ اسکی آنے والی نسلیں بھی ایسی جرات دوبارہ کرنے کے قابل نہیں رہتیں، جسم فروشی کرنے والی یہ خواتین محلے میں اس رعب سے رہتی ہیں اور دوسروں کو '' چکوا'' دینے کی دھمکیاں اس اعتماد سے دیتی ہیں کہ دیکھنے سننے والا منگ رہ جاتا ہے گوجرانوالہ پولیس کے کئی ایسے ادوار بھی گزرے ہیں جب پورا پورا تھانہ ہی ٹھیکے پر دے دیا جا رہا ہے اور تھانہ عوام کے ساتھ کچھ بھی کرے اعلیٰ افسران کو مہینہ اکھٹا کرنے کے علاوہ کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی، لیجئے جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی تھیں گوجرانوالہ پولیس کے دو نئے کارنامے اخباروں کی زینت بنے ہیں پہلا واقعہ جو رپورٹ ہوا ہے اس میں تحریک انصاف کے

ایک راہنما کے سابقہ ڈرائیور لیاقت مسیح نامی ملزم کو کینٹ پولیس نے مبینہ طور پر جیل سے نکلوا کر تھانے میں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا یہاں تک کہ وہ دم توڑ گیا، جبکہ دوسرے واقعے میں جناح روڈ تھانہ کی پولیس نے ایک نوجوان کو مبینہ تشدد کے باعث ہلاک ہو جانے پر قدرے ''ذمہ داری'' اور '' انسانیت دوستی'' کا ثبوت دیتے ہوئے لاوارث قرار دے کر دفنا بھی دیا، پولیس کا ان واقعات پر وہی رٹا رٹایا موقف سامنے آ رہا ہے کہ ملزم کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی وغیرہ وغیرہ، آپ ذرا سوچیں کہ کئی درجن چھتر اس شدید سردی میں کسی انسان پر ''اقبال جرم'' کرانے کے لئے برسائے جائیں تو اسکی طبیعت کیا ہشاش بشاش رہنے کا کوئی امکان موجود رہتا ہے، ایک عجیب بے شرمی ہے۔۔۔ نیچے لے کر اوپر تک۔۔۔۔۔ پیٹی بھائیوں کے لئے قانون الگ، سوچ الگ اور پولیس افسران کے احکامات بھی الگ، ڈسکہ کو ہی لیں جہاں ایس ایچ او نے وکیل کو قتل کیا تھا جس پر چار مرتبہ پھانسی کی سزا سنائی گئی ہے اور اگر خدانخواستہ مقتول کوئی عام انسان ہوتا تو تھانے پر حملے، کار سرکار میں مداخلت یا کسی پر بھی لگا دینے والی دہشت گردی کی دفعہ لگ جاتی تھی، قانون کا مذاق اڑاتی ایک اور خبر آج کے اخباروں میں شائع ہوئی ہے جس کی سرخی یہ ہے ''پولیس ملازم کی رسم حنا میں رات بھر برسٹ چلتے رہے'' خبر کے مطابق کامونکی کے نواح قلعہ جھنڈا میں مہمان رات بھر نشے میں دھت ہو کر بڑھکیں لگاتے رہے، مقامی لوگ 15 پر کال کرتے رہ گئے لیکن اس پیٹی بھائیوں کے جشن میں

مداخلت کرنے کوئی نہ پہنچا، قانون کی دھجیاں اڑانے کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے یہاں تو پولیس سے لوگوں کی جان مال عزت کچھ بھی محفوظ نہیں، تھانوں کا نام ماڈل، رکھنے سے تھانوں کے اندر کا ماحول نہیں بدل سکتا، یہ بھی سنا کہ خوتن محرر بٹھائی گئی ہیں لیکن ان خوفناک تھانوں میں انسانیت کا جو حشر نشر ہوتا ہے کیا کوئی خاتون خانہ تصور کر سکتی ہے ان تھانوں میں قدم بھی رکھنے کا؟ اعلیٰ پولیس افسران تھانوں کو ٹھیک کرنا چاہیں تو کیا مشکل ہے، شک کی بناء پر عوام کی چیر پھاڑ کرانے میں حاصل کی گئی مہارت کو اگر صرف تھانے کے محرر پر آزما لیا جائے تو کونسی ایسی حرکت ہے جو باہر نہیں آئے گی، محرر کے پاس پولیس کی تمام تر بدمعاشیوں اور منتھلیوں کا ریکارڈ اگلوانے کے لئے الٹا لٹکانے کی خبر بھی بیحد مزیدار ہو گی اور جن ماؤں کے بچے تفتیش کے نام پر مار دیئے گئے شائد اس پولیس اہلکار کی درگت بنتی دیکھ کر ان کے کلیجے میں بھی تھوڑی ٹھنڈ پڑ جائے

(جاری ہے)

(اندھے قانون کی اندھی پولیس (قسط نمبر3

پولیس کے کارناموں پر مبنی واقعات کا طوفان ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا،آج کے اخبارات میں اجتماعی ہوس کا نشانہ بننے والی لدھے والا وڑائچ کی ایک بیٹی کے بارے میں خبر چھپی ہے جسکی ماں با اثر ملزمان کے خلاف ایف آئی آر درج نہ ہونے پر سیشن کورٹ کی دیواروں سے سر پٹختی رہی ، خبر کے مطابق بچی کے ساتھ جولائی میں زیادتی کا واقعہ پیش آیا تھا مگر عدالتی احکامات کے باوجود اب تک مقدمہ کا اندراج نہیں ہو سکا اندازہ کریں اس پولیس نامی ''بلا'' کا کہ آج بھی ایف آئی آر جیسی ابتدائی کارروائی مظلوموں ، کمزوروں اور غریبوں کے لئے کس قدر ناممکنات میں سے ہے ، عوام بے چارے سفارش کے بغیر تھانے کے دروازے کے اندر قدم رکھنے کی ہمت نہیں کرتے ،مائیں بیٹیوں کی عصمتوں کا بین کرتی قانون کی اندھی بہری دیواروں کے ساتھ اپنا سر پٹختی ہیں مگر انصاف نہیں ملتا، پولیس عدالتی احکامات کی یوں دھجیاں بکھیرتی ہے کہ افسران کئی کئی تاریخوں تک ریکارڈ لے کر پیش نہیں ہوتے ، تھانوں میں سائلین کے ساتھ بدکلامی ،گالی گلوچ اور بے عزتی روزمرہ کی ''ڈیوٹی'' میں شامل ہے ، اصلاح تو شروع ہی اعتراف سے ہوتی ہے ،گناہ اور خرابی کے اعتراف سے مگر کیا کسی بڑے افسر نے آج تک اپنی طویل سر کھانے والی بریفنگ میں پولیس کی اس گندی روش کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھا

ہے۔۔؟ جھوٹی کارکردگی، جعلی پولیس مقابلے وکارروائیاں ، جعلی برآمدگیاں ، مدعیان سے ملی بھگت کرکے شناخت پریڈ،اور واہیات قسم کی تفتیش یہ ہے آپکی پولیس۔۔جسے انسانوں کی فورس تک کہتے ہوئے شرم آتی ہے، وہاں فیصل کالونی کھیالی کے ایک گھر میں کھیل'' کوئی اور چل رہا تھا مگر اس کھیل میں حصہ نہ لینے دیے جانے پر تھانیدار نے'' لڑکی سمیت دوسرے مردوں کو دہشت گرد قرار دے کر مکان کا گھیراؤ کر لیا گیا۔۔۔ کون آپ کا اعتبار کریگا۔۔؟ آپ کی شاندار کارکردگی کا ثبوت یہ ہے کہ اب شہر میں اتنے سکول نہیں ہیں جتنے جوئے کے اڈے۔۔۔ گھر گھر اتنے قحبہ خانے کھل گئے کہ جسم کا کاروبار سپلائی زیادہ ہونے کی وجہ سے مندے کا شکار ہے اور ریٹ چند سو روپوں تک گر چکا ہے، بدمعاش اور عیاش گروہ پولیس کی سرپرستی میں معتبر بنے ہوئے ہیں ، صرف دھلے اور گرجاکھ میں میں ایک نہیں کئی کئی اڈوں پر کھلے عام کاروبار جاری ہے ، بعض افسروں کی ہوس بجھانے کے لئے پولیس ملازمین خود ''دلالی'' کرتے اور سرکاری سواری میں ''مال'' پہنچاتے ہیں مگر پولیس کے سپہ سالار کو خبر نہیں ہوتی ، ان علاقوں میں جا کے پوچھیں 12 سال کا بچہ بتائے گا کہ ''کھیل'' کا یہ سامان کس کس گلی کے کون سے گھر میں موجود ہے تو کیا افسران بہرے اور اندھے ہیں کہ انہیں کچھ خبر نہیں ، یا ٹاؤٹوں کی رپورٹوں سے ہی فرصت نہیں اگر تھانے ان ٹاؤٹوں نے چلانے ہیں تو پھر تو بات ہی ختم، جو بھی افسر آتا ہے ،اخبارات میں تصویریں لگوانے کا شوقین اور جھوٹی کارروائیوں کو کارکردگی بنا کر پیش

کرتا دکھائی دیتا ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ اگر حکومت جرائم کو قابو کرنا چاہتی ہے تو اسے پہلے پولیس کو قابو کرنا ہوگا، تبادلوں کے ”جھولے“ دینے کی بجائے دھڑا دھڑ پیٹیاں اتریں گی تو دیکھیں کیسے سیدھی نہیں ہوتی یہ بڑی توندوں والی خوفناک فورس (جاری ہے)

(اندھے قانون کی اندھی پولیس (قسط نمبر4

پولیس کو ٹھیک کرنے اور اسکی اصلاح کے لئے سو طریقے آزمائے جا چکے ہوں گے لیکن ناکامی سی ناکامی ہے۔۔۔۔۔اور اس کی کارکردگی پر مستقل سوالیہ نشان لگا ہوا ہے پنجاب حکومت نے بڑی سوچ بچار کے بعد پولیس کی تنخواہوں اور مراعات میں، یکمشت اتنا اضافہ کر دیا تھا کہ ایک پولیس ملازم عزت سے زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔۔لیکن اس اقدام کے نتائج بھی حوصلہ افزاء نہ تھے، پھر یہ ہوا کہ انتہائی جدید اسلحہ ٹیکنالوجی رکھنے والے دہشت گردوں کے مقابلے میں پولیس پیشہ وارانہ تربیت اور جدید سہولیات کے فقدان کی وجہ سے دہشت گردوں کا آسان ٹارگٹ بننے لگی، سو اسکی تربیت کے لئے عسکری اداروں کے ساتھ معاملات بھی ہوئے، میاں شہباز شریف اس سلسلے میں بے حد متحرک رہے، دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پولیس کے جوانوں نے اپنی جانوں کے جو نذرانے دیئے ان کا اعتراف اور تذکرہ نہ کرنا بھی قرین ناانصافی ہو گی اور بلاشبہ جان کی قربانی سب سے عظیم قربانی ہے، ان شہید پولیس والوں کے اہل خانہ بعد میں کن حالات سے دوچار ہوئے معلوم نہیں لیکن برسوں پہلے مجھے ایک سینئر پولیس افسر کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ گوجرانوالہ کے ایک نواحی گاؤں اوجلہ کلاں میں ایک اصلی پولیس مقابلے میں 11 یا 13 پولیس والے شہید ہو گئے ان کے اہل خانہ کے لئے کئی رقوم دینے کے

اعلان کئے گئے مگر افسوس کہ شہدائے پولیس کے اہل خانہ کو جس تکلیف دہ صورتحال سے گزرنا پڑا اور واجبات کے لئے دفتروں کے چکر لگانے والی ان شہیدوں کی بیوگان کو کتنی کوفت ہوئی اسکا ذکر ان سطور میں کرنا ممکن نہیں، یہ ہے انتہا کی بے شرمی۔۔۔پھر کوئی عام عورت کیسے سوچ بھی سکتی ہے کہ انصاف کے لئے ان تھانوں کا رخ کرے، یہاں کوئی مظلوم خاتون جو تھوڑی بہت ''منہ متھے'' بھی لگتی ہو مجبور ہو کر تھانے چلی جائے تو وہاں اسکا نیا امتحان شروع ہو جاتا ہے اور انصاف کے بدلے افسر کا بستر شیئر کرنا پہلی شرط ہوتی ہے، خدا کے لئے۔۔۔۔یہ تھانے۔۔۔یہ ظلم خانے گرا دیں شہباز شریف صاحب۔۔۔۔۔یا پولیس کی سرپرستی میں جاری جرائم بند کرادیں۔۔۔۔۔کوئی بازپرس کا نظام لائیں۔۔۔۔۔۔۔پولیس کو بھی قانون کے سامنے جوابدہ بنائیں، ٹکے ٹکے پہ بکنے والے افسروں کو فارغ کریں اور اچھی شہرت والے ایماندار افسروں کو تھانوں میں عوام کے خادم بنا کر تعینات کریں۔۔۔پولیس مافیا کی چین توڑیں۔۔۔۔۔۔فائلیں بھری پڑی ہیں ان کے کارناموں سے۔۔۔۔۔مگر یہاں بدعنوانی میں ملوث افسروں کو انکوائری میں کلیئر کرانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے جبکہ کئی نیک نام افسر آپکو کھڈے لائن لگے ہوئے بھی ملیں گے جو ناکردہ گناہوں کی پاداش میں گمنام ہیں انہیں آگے لے کر آئیں، ایسا کرنا مشکل نہیں۔۔۔۔۔اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔تو پھر تھانوں کے اندر ہی بڑے بڑے جوئے خانے اور جسم فروشی کے مراکز قائم کر دیں تاکہ پولیس اس غلاظت کو گلی گلی پھیلانے کی بجائے اپنے تھانوں میں ہی

بحفاظت سمیٹ لے۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں کاروبار بھی خوب چلے گا اور گاہکوں کو کسی چھاپے کا ڈر بھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔منشیات بیچنے اور استعمال کرنے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والوں کو پولیس کی جانب سے ''شاہین ایوارڈ'' دیا جائے۔ تھانوں کی سطح پر جوئے کے ٹورنامنٹ کرائے جائیں اور اس کھیل کو قومی کھیل سمجھ کر فروغ دیا جائے اتنا کہ پھر کسی کو یہ برائی نہیں اچھائی محسوس ہونے لگے اور پھر کوئی پولیس کے بارے میں انگشت نمائی اور قلم آزمائی کے قابل نہ رہے۔

(اندھے قانون کی اندھی پولیس (قسط نمبر 5

آر پی او گوجرانوالہ محمد طاہر کون ہیں کہاں سے ہیں اور کیسے آفیسر معلوم نہیں لیکن چند دن پہلے انہوں نے تھانہ علی پور چٹھہ کے ملاحظہ کے دوران پولیس افسران سے جو خطاب کیا ہے اس سے پولیس کی کارکردگی کا اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں، اخبارات میں اس طرح سے چھپا ہے کہ ''غیر قانونی حراست کسی صورت برداشت نہیں ہوگی، جرائم کی شرح کو کم کرنے کے لئے اشتہاریوں اور عدالتی مفروروں کو گرفتار اور سنگین مقدمات کی تفتیش سات یوم کے اندر مکمل کی جائے، اختیارات سے تجاوز کرنے اور شہریوں کے ساتھ ناشائستہ رویہ رکھنے والے افسران کے خلاف کارروائی عمل میں لائی جائے گی،، پولیس سربراہ کا یہ بیان جرائم کے قلع قمع کرنے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے ایک عزم کا اظہار بھی ہے۔اس خطاب سے جہاں یہ ظاہر ہے کہ آر پی او پولیس کی کارکردگی کے بارے میں متفکر ہیں وہیں ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کے یہ الفاظ پولیس کی من مانیوں، غیر قانونی طرز عمل عوام الناس کے ساتھ غیر شائستہ رویے کی نشاندہی بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ پولیس افسران کو اپنے معاملات ٹھیک کرنے کی جانب اشارہ دیتے ہوئے واضح تنبیہ بھی کر رہے ہیں جسے سرکاری زبان میں شائد وارننگ بھی کہا جاتا ہوگا۔اب ہم جیسے ''اغیار'' کو تو دفع پرے کریں آپ خود دیکھیں کہ آر پی او

گوجرانوالہ پولیس کے بارے میں کیازبردست معلومات ،رائے اور پلان رکھتے ہیں ،یہی وہ راستہ ہے جو اعتراف کا راستہ ہے ،معاملات کو درست پیمانے میں پرکھنے کا،اصلاح کا،درستگی اور شائستگی کا جوآپ ہی کے ایک آفیسر آپ کو دکھا ،بتا اور سمجھا رہے ہیں اب اس سے کوئی کیا مطلب نکالتا ہے،اسکو کتنی سمجھ ہے اور اسکی بصیرت کی حد کیا ہے اور پھر اسکے بعد وہ خود کو کتنا بدلتا ہے یہ اسکی مرضی اور قسمت کیونکہ تبدیلی کے لئے رب کائنات نے توایک ہی اصول وضح فرمادیا ہے کہ ''بے شک اللہ تعالی کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں'' (سورہ الرعد11)

تو پھر پولیس بھی اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک پولیس والے اپنی چال ڈھال ،اپنا رویہ،اپنی گفتگو اور قانون سے خود کو ماورا سمجھنا ترک نہیں کرینگے،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھانے میں آنے والی عورت کو ماں بہن جیسی عزت نہیں دینگے،۔۔۔۔۔۔۔چادر چار دیواری کا تقدس پامال کرنے سے پہلے دل میں سوچنے لگیں گے ،۔۔۔۔۔۔مال لے کے لوگوں پر جھوٹے مقدمات درج نہیں کریں گے،۔۔۔۔۔سائلوں کی عزت نفس مجروح کرنے کی جرات نہیں کرینگے ، جھوٹی شناخت پریڈیں، جھوٹی تفتیشیں ، جھوٹی کارروائیاں ترک کرکے اپنے فرائض کو نبھانے اور پولیس کی نوکری کو ایک فرض اور مقصد سمجھ کر اپنی یونیفارم کی اچھی پہچان بنائیں گے مگر اس وقت جب یہ سطور لکھی جارہی ہیں ، ہمارے ''پولیس زدہ معاشرے'' میں پولیس خوف دہشت کی علامت ، رشوت ستانی

میں لتھڑی اور مجرموں کی ''نانی'' بنی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لوگ مفادات اور
خوف کی وجہ سے کھل کے بات نہیں کرتے۔۔۔ اس لئے پولیس بھی تنقید کی عادی نہیں
رہی۔۔۔۔۔ لیکن وہ خاک نشین جنہیں پولیس سے کوئی جھوٹی ایف آئی آر درج کروانی
ہے نہ وہ کسی تھانے میں ''ٹاؤٹ'' کی آسامی کے امیدوار ہیں۔۔۔ خار کو گلاب کیسے
لکھیں۔۔؟ نہ ہی ان میں بندے کو خدا لکھنے کا حوصلہ ہے۔۔۔۔۔۔ (جاری ہے

(اندھے قانون کی اندھی پولیس (آخری قسط

یہ خاک نشیں چونکہ پولیس کے کسی سودے کے خریدار نہیں ۔۔۔۔۔اس لئے شاید آنکھیں مکمل طور پر اندھی اور کان بہرے نہیں ہوئے ابھی تک ۔۔۔۔۔ ورنہ تو اندھے بہروں کی اس بستی میں انسانیت کی بدترین تضحیک اور تذلیل پر جہاں باقی سب چپ ہوں۔۔۔۔۔۔وہاں آنکھیں بند کرکے اور کان لپیٹ کر جینا کچھ مشکل نہیں ۔۔۔۔۔۔لیکن ہماری یہ جان ۔۔۔اور یہ قلم ۔۔۔۔سب اللہ کی امانت ہے اس لئے سچ بات لکھتے ہوئے کوئی خوف ہے نہ کسی قسم کا احساس ندامت جسکا نتیجہ یہ کہ آنکھوں کی بینائی تھوڑی بہت باقی ہے ۔۔۔۔۔اور یہ آنکھیں ابھی ظلم و زیادتی ،نا انصافی اور ڈرامے بازی کی کارکردگی میں فرق دیکھنے کے قابل ہیں ،دل مردہ نہیں ہوا اسلئے بے گناہ مارے جانے والوں کی کلیجے پیٹتی ماؤں کے درد کو محسوس کر رہا ہے ۔۔۔ قلم میں عمر بھر ظلم ڈھانے والے اور جعلی کہانیاں گھڑ گھڑ کے جھوٹے پرچے دینے والے کسی محرر کی طرح رشوت کی سیاہی نہیں اس لئے شکستگی کے آثار نہیں۔ اگر ہم لکھنے والے ہیں سماجی نا انصافیوں اور برائیوں کے خلاف ہمیں ضرور لکھنا چاہئے اور لکھنے کے لئے اس سے بڑا سچ شاید کوئی نہیں ۔۔۔۔اور میں پوری دیانتداری وذمہ داری سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ

آج جس معاشرے میں ہم سانسیں لے رہے ہیں یہاں پولیس کا فرسودہ گھسا پٹا ’’

اور جبر کا نظام سماجی برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے اور پولیس مخالفین کی تذلیل کروانے انہیں رگڑا دینے اور یہاں تک کہ کسی کی جان لے لینے کا سب سے بڑا ''قانونی ذریعہ، ہے۔۔۔ کبھی کبھی تو میں ان فرضی داستانوں کو پڑھ کر حیران رہ جاتا ہوں جو ایف'' آئی آرز میں لکھی ہوتی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر بالکل ایک جیسی ہوتی ہیں اور ان کا سکرپٹ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ بعض اوقات تو ایف آئی آر کو پڑھتے ہی بے اختیار ہنسی نکل جاتی ہے۔۔۔۔۔ آخر اتنے قابل اور لائق فائق اعلیٰ افسران کو ان پر کیسے یقین آ جاتا ہے۔۔۔ ؟ لیکن سب چل رہا ہے۔۔۔ تھانے مک مکا کرانے کے سب سے بڑے مراکز بنے ہوئے ہیں۔۔۔۔ مصالحتی کمیٹیوں کے نام پر جو کچھ ماضی میں ہوا وہ ڈھکا چھپا نہیں بلاشبہ انصاف فراہم کرنے کے نام پر وہ ایک ایسی مشق تھی جس نے پولیس کو اور بھی زیادہ طاقتور اور بااختیار بنایا، گھریلو معاملات اور کاروباری لین دین سب تھانے کے سپرد ہو گیا۔۔۔ نتیجہ یہ کہ لین دین کے بہت سے معاملات اب طے ہی پولیس کے ذریعے ہو تے ہیں، ایک جھوٹی ایف آئی آر درج کریں۔۔۔ اور معاملہ پار۔۔۔۔، غور کریں کہ سیاسی مداخلت اور اوپر سے دباؤ کا جعلی رونا رونے والی پولیس اس وقت کس قدر اختیارات کی مالک ہے۔۔۔ یہ شان و شوکت۔۔۔ جاہ و جلال۔۔۔۔۔ پر تعیش طرز زندگی۔۔۔۔۔ لامحدود مراعات۔۔۔۔۔۔ جدید آسائشیں۔۔۔ اور آخر میں پرفارمنس یہ کہ انصاف کی راہ کا سب سے بڑا پتھر پولیس ہے، عام طور پر جو شہری لٹ جاتا ہے یا جس کی چوری ہوتی ہے اسے پولیس سے کسی قسم کی امیدیں

وابستہ نہیں ہوتیں اور نہ ہی اسے رکھنی بھی چاہئے لیکن کسی افسر کی انفرادی کاوش سے ایسا کوئی اکا دکا کیس حل ہو جائے تو پولیس ایسے میڈیا اکٹھا کر کے بیٹھ جاتی ہے گویا یہ اس کا فرض نہیں ملک و قوم پر بہت بڑا احسان ہو۔۔۔۔ان کارروائیوں میں سے آدھی تو ویسے ہی ''فارغ ڈاٹ کام'' ہوتی ہیں، پولیس کی جعلی کاروائیوں اور مجرمانہ طرز عمل ہی کی وجہ ہے کہ بعض معاملات میں قبر کشائیوں کے تکلیف دہ عمل کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ تھانوں تفتیش کا عمل اسقدر بھونڈے انداز میں مکمل کیا جاتا ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے، وہاں تفتیشی افسر ایک نکا سا اے ایس آئی آپ کو ایک مکمل ابلیسی ''روپ میں ملے گا آپ بے شک جتنے مرضی ثبوت دکھا دیں۔۔ جتنی مرضی'' گواہیاں بھگتا دیں۔۔۔اگر اس نے دوسری پارٹی سے مال کھا لیا ہے تو آپ کی اس کے آگے ایک نہیں چل سکتی۔۔۔آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ یہ رعایت ہو سکتی ہے کہ اگر آپ بھی اسے مال لگائیں تو تفتیشی کی آپ پر گھن گرج کچھ کم ہو جائے گی اور آپ کی بے عزتی کی شرح میں بھی کمی واقع ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود اس کی مرضی پہ منحصر ہے کہ وہ تفتیش میں کیا لکھتا ہے اور کس کا ساتھ دیتا ہے۔

ابھی کل پرسوں ہی تھانہ ستراہ کی پولیس نے بھی اپنے پیٹی بھائیوں کا سر پیشہ وارانہ مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے فخر سے مزید بلند کر دیا ہے جب مبینہ طور پر چوری کے ایک ملزم کے والد کو گرفتار کر کے سخت سردی میں اس پر اپنے

فن'' کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں بوڑھی روح اس شدید تکلیف کو برداشت نہ'' کرتے ہوئے پرواز کر گئی، یہ تو ان کا حال ہے کہ ابھی یہ تک معلوم نہیں کہ اسکا بیٹا بھی چور تھا کہ نہیں باپ کو تشدد کرکے مار ڈالا۔۔۔۔۔ یہاں ملزم اور مجرم میں کوئی فرق نہیں۔۔۔ خود ملزم ہاتھ نہیں آتا تو کوئی بات نہیں تو اسکا باپ یا بھائی ہی سہی ۔۔۔۔ رشوت کے پیسے پورے کرنے کی غرض سے بس چیرنے پھاڑنے کو ایک انسان چاہئے جسکی فریاد، چیخیں اور آہیں تسکین کا ساماں کر سکیں۔۔۔۔۔ شاید ان چیخوں کا مزا سول لائن تھانے میں '' منی بدنام ہوئی'' پر ہونے والے رقص سے بھی زیادہ آتا ہوگا۔اخبارات ہیں کہ دلخراش واقعات سے بھرے پڑے ہیں، ایک خبر کراچی سے بھی ہے جہاں ویسے بھی انسانی لہو شاید سب سے سستا ہے۔۔۔۔ خبر کے مطابق کراچی پولیس نے دو بیٹے '' راہزن'' بنا کر پھڑکا دیئے مگر اب اطلاعات آ رہی ہیں کہ وہ بھی بے گناہ تھے انکے پاس موٹر سائیکل کے کاغذات وغیرہ بھی موجود تھے۔۔ یہ افسوسناک کہانیاں ہمارے چاروں چاروں طرف بکھری پڑی ہیں۔۔۔ اب یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم ان پر نظر ڈالیں یا آنکھیں بند کرکے پولیس تشدد زدہ کسی لاش کے پاس سے منہ پر رومال رکھ کر گزر جائیں۔ ویسے مجھے تو ہمیشہ تھانے کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک عجیب سی ''بدبو'' محسوس ہوتی ہے اور وہاں سے گزرتے ہوئے ناک بند کر لینے کو جی چاہتا ہے کیا آپکو بھی کبھی ایسا محسوس ہوا ہے۔۔۔۔؟ سوچتا ہوں پاکستان ایک قانون دان نے بنایا تھا مگر افسوس یہاں قانون کی حکمرانی پر آج

بھی بہت بڑا سوالیہ نشان لگا ہوا ہے ، ملک میں قانون کی صورت میں عدالتیں موجود مگر انصاف ناپید ہے ، جیلوں میں سڑنے والے کتنے ہی بے گناہ ہیں جن کی عمریں پولیس کی گھٹیا تفتیشوں کی نذر ہو گئیں اور عمر بھر کے لئے زندان ہی ان کا نصیب ٹھہرا ہے ، یہاں قانون لوگوں کو انصاف نہیں دیتا یہاں تک کہ لوگ ''ڈون'' بن جاتے ہیں اور خود مخالفین سے انتقام لیتے ہیں ، پولیس اور جیلیں جرائم کو کم نہیں کرتیں ان میں اضافہ ہی کرتی ہیں۔ ظلم کی یہ داستانیں نہ جانے کبھی ختم ہوں گی یا نہیں ۔۔۔۔ذمہ داران اپنی ذمے داری کو سمجھیں گے یا نہیں۔۔۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن دل میں انسانیت کا ہلکا سا بھی درد رکھنے والوں کے لئے انسانی حقوق کی یہ کھلی خلاف ورزیاں نا قابل برداشت ہونی چاہئیں ، جیتے جاگتے بے گناہ انسان اس تشدد ،تذلیل ، گالی گلوچ اور ناروا سلوک کے قطعی مستحق نہیں جو پولیس کی جانب سے ان کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔ گوجرانوالہ کے اخبارات اور دنیا بھر میں دیکھی جانے والی ویب سائیٹس کے مدیران جنہوں نے میری تمام تحریریں جوں کی توں شائع کیں اور ان تمام دوستوں کا شکریہ جنہوں نے فون کالز اور ایس ایم ایس کے ذریعے میری اس ادنی سی کاوش کو پذیرائی بخشی ''اندھے قانون کی اندھی پولیس'' کا سلسلہ یہیں ختم کر رہا ہوں اس دعا کہ ساتھ کہ میرے ملک میں چلنے والی ظلم وزیادتی اور جبر کی آندھیاں تھم جائیں اور پولیس کے رحم و کرم پر جینے والے یہاں کے عوام کو اعلیٰ درجے کے شہری نہ سہی مگر کم از کم انسان تو تسلیم کر لیا جائے

(۔ (ختم شدہ

حسین نواز کے دل کی آواز

حسین نواز سیاسی باپ کا غیر سیاسی بیٹا ہے جس نے اپنے دوسرے بھائی حسن کی طرح گھر میں اقتدار کے ہوتے ہوئے بھی خود کو حکومتی امور سے ہمیشہ بہت دور رکھا۔ 12 اکتوبر 1999ء کو مشرف نے قہر ڈھایا تو شریف فیملی کے ہر فرد پر ایک جیسی مصیبت آئی اور حسین نواز بھی ناکردہ گناہوں کی پاداش میں 14 ماہ کے لئے قید کر دیئے گئے، آج شریف فیملی جسے ناقدین شاہی خاندان بھی کہتے ہیں مصائب جھیلتی اور جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد ایک بار پھر اقتدار میں ہے لیکن نواز شریف کے بیٹے حسن اور حسین حکومتی امور سے بدستور الگ تھلگ ہیں دونوں اپنے اپنے کاروبار کرتے ہیں اور والد کی سیاسی وراثت کو سنبھالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ انکی ہمشیرہ مریم نواز شریف کو والد سے سیاست میں آنے کی تاخیر سے ہی سہی اجازت مل گئی، نواز شریف کا خاندان مذہبی خاندان مانا جاتا ہے اور اس خاندان سے بیٹی کا سیاست میں آنا بہت بڑی اور غیر معمولی بات ہے لیکن دونوں بھائیوں کی جانب سے والد کی سیاست میں ان کا ہاتھ نہ بٹانے کا فیصلہ اس قدر حتمی تھا کہ شاید اسکے سوا اور کوئی آپشن تھا بھی نہیں، حسین نواز اگلے روز ایک ٹاک شو میں کھری اور دوٹوک گفتگو کرتے دکھائی دیئے تو اندازہ ہوا کہ میاں نواز شریف کا یہ بیٹا عملی سیاست سے دور ہونے کے باوجود مکمل سیاسی

سوجھ بوجھ اور شعور رکھتا ہے، حسین نواز نے نہ صرف عمران خان کی جانب سے اپنے خاندان پر کی جانے والی تنقید کا جواب دیا بلکہ عمران خان سے بھی کئی سوالات کئے اور انہیں مناظرے کا چیلنج بھی کیا،انہوں نے الزامات کی بوچھاڑ کرنے اور 68 سال کی خرابیوں کی ذمہ داری صرف نواز شریف پر ڈالنے والے لیڈر کو مخاطب کرکے کہا کہ وہ ان کے خاندان کو بنک ڈیفالٹر ثابت کر دیں تو وہ ہر سزا بھگتنے کو تیار ہیں، حسین نواز نے اعتماد سے بھرے لہجے میں اپنے اور اپنے بھائی حسن نواز کے بیرون ملک موجود تمام اثاثوں کی تفصیلات بتائیں اور کہا کہ انکے تمام اثاثہ جات مکمل طور پر ڈیکلیئرڈ ہیں انہوں نے 12 اکتوبر 99ء کے فوجی اقدام اور اپنی 14 ماہ قید کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا، کہ وہ اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتی اور ناانصافی پر پرویز مشرف کو معاف کرتے ہیں لیکن ملک و قوم کے ساتھ ہونے والی نا انصافی اور نقصان پر قانون اور ریاست کو مشرف کا ضرور احتساب کرنا چاہئے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ مشرف خود اعتراف کرتے رہے کہ انہیں شریف فیملی کے خلاف مالی بدعنوانی کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا اور کرپشن کا ایک بھی ثبوت نہ ہونے پر میرے والد کے خلاف ایک ''پھٹیچر'' قسم کا طیارہ سازش کیس بنا دیا گیا، حسین نواز نے اپنے دل کی بات اس وقت کی ہے جب پاکستانی عدالتوں میں مشرف کے خلاف سنگین غداری سمیت کئی سنجیدہ نوعیت کے مقدمات زیر سماعت ہیں مگر انکا احتساب ایک مذاق بنا ہوا ہے، جنہوں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا وہ 14 ماہ کی جیل کاٹنے کے بعد

ملک بدر کر دیئے گئے تھے اور وہ شخص جو نو برس تک ملکی تقدیر سے کھیلتا رہا، جس نے آئین و قانون کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھا اور منتخب حکومت کا تختہ الٹایا، ایمرجنسی کے نام پر ججز کو قید کیا اور چیف جسٹس کو بے توقیر کیا، اکبر بگٹی جیسے محب وطن شخص کو للکار کر قتل کرایا، لال مسجد میں خون کی ہولی کھیلی اور ایک فون کال پر ڈھیر ہو کر دہشت گردی کی پرائی آگ کو اپنے گھر میں لے کر آیا، میڈیا کی آزادی سلب کی وہ آج اپنے خلاف سنگین مقدمات پر اتراتا پھر رہا ہے، جب بھی کوئی عدالت اسے طلب کرتی ہے کسی نہ کسی شفا خانے میں اسکے ٹیسٹ شروع ہو جاتے ہیں، مشرف پورے طمطراق کے ساتھ ٹی وی چینلز کو انٹرویوز بھی دیتا اور سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں بھی کرتا ہے، اس کے اپنے ہی گھر کو سب جیل قرار دے کر اسے بھرپور سہولت مل جاتی ہے اور اس پر مزید ستم یہ کہ میڈیا کے کچھ ''ظالمان'' اگر اسے پاکستان میں آزاد میڈیا کا روح رواں قرار دیں تو ہمیں کم از کم رونا ضرور آنا چاہئے،، حسین نواز کے والد میاں نواز شریف کو تیسری وزارت عظمیٰ ملی تو مشرف کیخلاف وفاق نے'' سنگین غداری کیس'' دائر کیا اور سب کچھ قانون پر چھوڑ دیا، 14 سال بعد حکومت میں آنے والے وزیر اعظم کے لئے ہر طرف مسائل کا انبار لگا ہوا تھا، ملک میں 18,18 گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کے اندھیرے، گلی گلی دھماکے خود کش حملوں اور منہ زور مہنگائی نے عوام کو گھیر رکھا تھا، وزیر اعظم نواز شریف نے مشرف کے مسئلے کو عدالتوں کے لئے چھوڑ کر خود کو ان مسائل کے ساتھ جنگ میں جھونک

دیا جس کا نتیجہ آج ملک میں دہشتگردی اور لوڈشیڈنگ میں نمایاں کمی کی شکل میں سامنے ہے، ان سے پہلے اقتدار کی ہوس میں ایک جرنیل نے سیاست میں ایجنسیوں کے ذریعے ق لیگی ورادات ڈالی اور سیاست میں خوب گند بھرا،زرداری کی جمہوریت بھی عوام سے ہی بہترین انتقام ثابت ہوئی لیکن شریف فیملی نے جسے شاہی خاندان کہہ کر مزا لیا جاتا ہے ملک کی روشنیاں دوسال میں واپس لے آئی ہے، دہشت گردی میں کمی اور کراچی میں خوف کے سائے ختم ہوئے ہیں پاکستان میں امن آ رہا ہے اور عوام کی خوشیاں لوٹ رہی ہیں، اگلے دوسال میں لوڈشیڈنگ کے مکمل خاتمے سے عوام مزید سکھ کا سانس لیں گے، ملک میں نظام کے تسلسل کے لئے ضروری ہے کہ جمہوریت دشمن مشرف کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے، مشرف کے ساتھ خاص سلوک اور نظر کرم نے قانون پر کئی سوالیہ نشان چھوڑ رکھے ہیں جن کا جواب تاریخ دان ضرور لکھے گا، مشرف کا قانون کے شکنجے سے بچ نکلنا تاریخ میں جمہوریت کی ناکامی اور بے بسی سے تعبیر کیا جائے گا، قانون اور ''ریاست'' کو سوچنا چاہئے کہ مشرف کو معاف کر دینے والے نواز شریف کے بے گناہ غیر سیاسی بیٹے حسین نواز کے دل سے نکلنے والی آواز میں کتنا اثر اور باتوں میں کس قدر وزن ہے۔

تیزی سے صحتیابی بھی جرم ہے؟

غیر سنجیدہ سیاسی تجزیہ کاروں اور نابالغ سیاسی ورکروں نے پاکستان کی سیاسی فضاؤں کو غیر یقینی بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے، ملک میں کوئی بھی معاملہ ہو اسے شک کی نگاہ سے دیکھنا ہماری عادت بنتی جا رہی ہے، وزیر اعظم میاں نواز شریف کا نام پہلے دن سے ہی پانامہ لیکس میں نہیں آیا تھا لیکن میڈیا پر بیٹھے ہمارے چند نا عاقبت اندیشوں نے وزیر اعظم کو نہ صرف اپنی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا بلکہ انہیں مجرم بنا کر پیش کیا جانے لگا، حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور اصل صورتحال کو چھپانے کا فن تو اب چند ایک تک محدود نہیں رہا بلکہ بہت سے ٹی وی اینکرز نے یہ ہنر سیکھ لیا ہے، ان میں بعض تو دن رات جمہوریت اور سیاستدانوں کی ایسی تیسی کرنے میں لگے ہوئے ہیں، بات بے بات جمہوری نظام کو پڑنے والی اس گالی سے ملک و قوم کی کیا خدمت ہو رہی ہے یہ تو وہی بتا سکتے ہیں لیکن وزیر اعظم کو بغیر ٹرائیل کے ہی مجرم بنا کر پیش کرنے والوں کو احساس تک نہیں کہ اپنے ملک کے منتخب وزیر اعظم کو چور کہہ کے ہم دراصل اپنے ہی منہ پر کالک مل رہے ہیں اور دنیا میں اپنے ملک کا وقار خاک میں ملا کر اسکا تماشہ بنا رہے ہیں، ایسے ٹی وی اینکرز صحافت کے نام پر بد نما داغ ہیں جو جمہوری نظام کو گالیاں اور حکومت کو کھلی دھمکیاں تک دیتے نظر آتے

ہیں لیکن سوئے ہوئے پیمرا کے کان پر بھی جوں تک نہیں رینگتی ، رہی سہی کسر سوشل میڈیا نے نکال رکھی ہے جواب سونے پہ سہاگے کا کام کر رہا ہے ، سوشل میڈیا کی غیر اخلاقی زبان سے تنگ ایک دوست تو اگلے دن کہہ رہا تھا کہ سوشل میڈیا تو کسی دشمن کی بد دعا کا نتیجہ لگتا ہے جو ہم سب بھگتنے پر مجبور ہیں ، وزیر اعظم نواز شریف کی صاحبزادی مریم نواز ایک انتہائی باوقار اور فرماں بردار بیٹی ہیں ، یوں بھی شریف خاندان اعلیٰ مشرقی روایات کا امین ہے جہاں بڑوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا اولاد کے سوا اور کوئی آپشن ہی نہیں ہوتا ، انکی ذاتی زندگی کو سوشل میڈیا میں یوں اچھالا اور اس پر اسقدر گھٹیا گفتگو کی جاتی ہے کہ جس کی مثال بھی یہاں دینا ممکن نہیں مریم نواز کا جرم یہ ہے کہ وہ تیسری مرتبہ عوام سے ووٹ لے کر منتخب ہونے والے ، وزیر اعظم کی صاحبزادی ہیں اور بھائیوں کے سیاست سے دور ہونے کی وجہ سے اپنے والد کا سیاست میں ہاتھ بٹانے کے لئے آگے آئی ہیں ، کہتے ہیں بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں لیکن میں نے اس بیٹی کے ساتھ جو بدسلوکی والا رویہ سوشل میڈیا پر دیکھا ہے وہ کہیں کبھی کہیں نہیں دیکھا ، داد دینا پڑتی ہے کہ اس کے باوجود وہ بڑی ہمت کے ساتھ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں ، کیا کسی مہذب معاشرے میں بیٹیاں اس سلوک کی مستحق ہوتی ہیں جو ان کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے ؟ ، ابھی اگلے دن ہی اسمبلی میں وزیر دفاع خواجہ آصف کی تحریک انصاف کی راہنما ڈاکٹر شیریں مزاری کے ساتھ جھڑپ ہوئی خواجہ آصف نے غیر پارلیمانی ،

الفاظ کہے بعد ازاں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے باقاعدہ سپیکر قومی اسمبلی سے تحریری معافی مانگ لی ، سوشل میڈیا پر تو معافی کا بھی رواج نہیں ، وہاں جھڑپ کے بغیر ہی سوچ سمجھ کر وزیر اعظم کی صاحبزادی کی تذلیل کی جاتی ہے جبکہ اپوزیشن کا منفی رویہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے،اپوزیشن اور میڈیا کے دباؤ کا ہی نتیجہ تھا کہ وزیر اعظم نے 3 مرتبہ قوم سے خطاب کیا اور یہی نہیں اپوزیشن کے سوالوں کے قومی اسمبلی میں بھی جوابات دیئے، قبل ازیں وہ پانامہ لیکس پر جوڈیشل کمیشن قائم کرنے کے لئے چیف جسٹس آف پاکستان کو خط بھی لکھ چکے تھے اور اپنے سمیت پورے شریف خاندان کو احتساب کے لئے بھی پیش کر دیا تھا،اسی شور شرابے میں نواز شریف چیک اپ کے لئے گئے تو افواہوں کا بازار گرم ہو گیا ، وزیر اعظم کو برا بھلا اور بھگوڑا کہنے کی دوڑ شروع ہو گئی ،وہ اب نہیں آئیں گے ،بیگم کلثوم نواز وزیر اعظم بن رہی ہیں ،فلاں فلاں لیکن چند دن بعد نواز شریف واپس آ گئے تو ان افواہ ساز فیکٹریوں کی چمنیوں سے جھوٹ فریب اور مکر کا دھواں نکلنا بند ہو گیا ، وہ دوبارہ گئے تو ڈاکٹرز نے اوپن ہارٹ سرجری کو لازمی قرار دے دیا ، یہ سنتے ہی افواہوں کے تاجروں نے پھر اپنا کام شروع کر دیا ،کہا جانے لگا اب علاج کے بہانے پانامہ لیکس کے معاملے کو طوالت دی جائے گی ،اب معاملہ لٹکا دیا جائے گا،وقت گزارا جا رہا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن ان سب کی توقعات کے بر عکس میاں نواز شریف کی سرجری کے نتائج بہت اچھے رہے اور وہ تیزی سے صحتیابی کی

جانب بڑھنے لگے ۔۔ اب ان نوٹنکی ماسٹروں کی طرف سے انکی صحتیابی کی رفتار کو بھی نشانہ بنایا جانے لگا، کئی ایک نے کہا کہ آپریشن ہوا ہی نہیں ،یعنی بیماری بھی جرم اور بیماری کے بعد تیزی سے صحتیابی بھی جرم ۔۔۔ کون لوگ ہیں یہ ۔۔۔آخر چاہتے کیا ہیں ، انکی ذہنی حالت قابل رحم ہو چکی ہے ، نواز شریف کو نکالنے کے سوا انہیں کسی اور کام میں پاکستان کی بہتری دکھائی نہیں دیتی ، وہ مائنس ون فارمولے اور متوقع وزیر اعظموں کی لسٹ بنا بنا کر تھک چکے ہیں ، انہیں کوئی کامیابی نہیں مل رہی ، وہ اس حکومت کو کرپٹ ثابت کرنے کے لئے لکیریں نکال رہے ہیں جس کے کسی وزیر کے خلاف 3 سال میں کوئی مخالف بھی کسی عدالت میں نہیں گیا ، ادھر عوام اور نواز شریف کے رشتے کا یہ عالم ہے کہ ایک مدت تک عوام سے دور رکھنے والی جلاوطنی بھی نواز شریف کو انکے دلوں سے نہیں نکال سکی ، یہ بھولی صورت عوام کے دلوں میں رچ بس گئی ہے ، اللہ نواز شریف کی عمر دراز کرے اور وہ ملک و قوم کی یونہی خدمت کرتے رہیں ، مجھے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ دکھانے کی کوشش میں مصروف ٹی وی اینکرز اور ’’ سیاسی گھس بیٹھیوں ‘‘ کے ساتھ نہایت ہمدردی ہے کہ ایک طویل مدت تک وزیر اعظم پاکستان کے طور پر انہیں یہی چہرہ قبول کرنا پڑے گا ۔۔ بھئی کیا کریں ۔۔۔ یہ عوام کا فیصلہ ہے ۔۔۔

(گوجرانوالہ شہر کی بلدیاتی سیاست فیصلہ کن مرحلے میں (آخری حصہ

جبکہ سٹی صدر ایم پی اے حاجی عبدالرؤف مغل اور ایم پی اے چوہدری اشرف علی انصاری کی غلام دستگیر خان کے ساتھ مثالی وابستگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، چوہدری اشرف علی انصاری کے گھر کا تو یہ عالم ہے کہ وہاں جناب غلام دستگیر خان کو اپنا بزرگ تسلیم کیا جاتا ہے اور سب بچے بڑے ان کے لئے ہر وقت دعا گو رہتے ہیں حاجی یونس انصاری اپنے چھوٹے بھائی اشرف انصاری کی سیاست میں بھرپور دلچسپی لیتے، اور عملی طور پر ان کے مشیر بھی ہیں انکے مشیر بھی ہیں، یہ گھرانہ پرانی اقدار اور روایات کا امین اور بڑوں کی فرماں برداری کے حوالے سے جانا جاتا ہے اور خان صاحب کے فیصلوں کو من و عن تسلیم کرنا بھی اس گھر کی روایت بن چکی ہے، بلدیاتی الیکشن کے لئے ٹکٹوں کا معاملہ ہو یا مخصوص نشستوں کا مرحلہ پی پی 93 میں اور 94 دونوں حلقوں میں معاملات خوش اسلوبی سے انجام پائے، وفاقی وزیر انجینئر خرم دستگیر خان عوامی سیاست کے حوالے سے اپنی ایک الگ پہچان بنا چکے ہیں اور انکا سیاسی اثر و رسوخ کسی بھی دوسری سیاسی شخصیت سے کہیں زیادہ ہے، چنانچہ دستگیر خاندان کی اس وقت شہر کی بلدیاتی سیاست پر بڑی مضبوط گرفت ہے، جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں مخصوص نشستوں پر الیکشن کا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے جس میں دستگیر گروپ کی جانب سے لیبر سیٹ پر ناصر محمود کھوکھر نمائندگی کر رہے تھے جنہوں نے 47 ریکارڈ ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی، ٹیکنو

کریٹ کی نشست پر ڈاکٹر بابر بشیر بٹ نے 23 ووٹ حاصل کر کے کامیابی اپنے نام کی ، جبکہ اسی گروپ کی خاتون نشست پر ایم پی اے توفیق بٹ کی نامزد امیدوار مسز جمشید بٹ ووٹ کے ساتھ پہلے نمبر پر رہیں ، دیگر نامزد خاتون نشستوں پر نویدہ یوسف کھوکھر 64 حمیرا کاشف 3،، مسز نور حیدر انصاری 3 رانی یاسمین 4 (آزاد) ووٹ لے کر کامیاب ، ہوئیں جبکہ رشدہ امان اللہ ، مسز عارف ڈار اور طاہرہ کامیاب نہ ہو سکیں، اقلیتی نشستوں پر عاطف عزیز دل 13، یوسف کمال 12 ووٹ لے کر کامیاب ہوئے، اسلم سندھو نے آزاد حیثیت سے کامیاب ہو کر دستگیر گروپ کی حمایت کا وعدہ کیا ہے ، دستگیر خان گروپ کے اتحادی چوہدری محمود بشیر ورک ایم این اے کی نامزد خواتین میں نسرین اشفاق 5 ثمرا خالد ڈار 5، اقلیتی نشست پر اشرف گل کامیاب ہوئے ، یوتھ کی سیٹ شعیب بٹ کے حمایت یافتہ ولید شاہ آزاد حیثیت سے لے اڑے اور پارٹی ٹکٹ ہولڈر عمر خالد 2 ووٹ سے کامیاب نہ ہوسکے ، ادھر دوسرے گروپ سے پومی بٹ کے نامزد کلیم بھٹی نے ٹیکنو کریٹ کی سیٹ پر 34 ووٹ سے کامیابی حاصل کی ، بیرسٹر عثمان ابراہیم کی حمایت یافتہ شگفتہ پروین، نشا زاہد، ثوبیہ اصغر، حبیبہ عاصم انیس، نیلم طفیل کامیاب ہوئیں ، لیبر کی نشست پر شہید وارث انصاری کے بھائی میاں ایوب انصاری 18 ووٹ لے کر کامیاب ہوئے جبکہ عثمان ابراہیم گروپ کے اقلیتی امیدوار کامیاب نہ ہو سکے ۔ شہر میں آزاد نشستوں پر زبیدہ احسان چوہدری 3، رخسار مصدق 3، شاہدہ اقبال وڑائچ بھی 3 ووٹ لے کر کامیاب ہوئیں ، ذرائع کے مطابق آزاد حیثیت سے جیتنے والے امیدواروں نے دستگیر گروپ کے امیدوار میئر شیخ ثروت اکرام کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے، شیخ ثروت اکرام جو کاروباری حوالے سے اپنی ایک الگ ساکھ

اور پہچان کے علاوہ پرویزی آ مریت میں سٹی کارپوریشن میں مسلم لیگ ن کے جنرل سیکرٹری کی ذمہ داری نبھانے کی وجہ سے مسلم لیگ ن میں بھی اپنا خاص مقام رکھتے ہیں اور سینئر راہنما غلام دستگیر خان کے قریبی رفقاء میں شمار ہوتے ہیں اب میئر گوجرانوالہ کی نشست پر براجمان ہونے کے لئے چیئرمینوں اور ممبران سٹی کونسل کی بھاری اکثریت کی حمایت حاصل کر چکے ہیں ،انہیں ٹکٹ مل جانے کا قوی امکان ہے،اس حوالے سے سینئر راہنما غلام دستگیر خان پر یقین ہیں ، شیخ ثروت اکرام جیسے شریف النفس اور باوقار کاروباری شخص کو ٹکٹ مل جانے کے بعد مسلم لیگ ن کے باقی دھڑوں کو پارٹی ڈسپلن کی پابندی کرنی چاہئے، اصولوں کی سیاست کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ جس امیدوار کو ٹکٹ مل جائے دیگر اس فیصلے کا احترام کریں، منڈیاں جانوروں اور پھلوں سبزیوں کی ہی اچھی لگتی ہیں اس لئے منتخب سیاسی لوگوں کی خرید و فروخت کی منڈی کسی صورت بھی نہیں لگنی چاہئے ،فی الحال سب سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ مخصوص نشستوں کے الیکشن میں مد مقابل امیدواروں نے کامیابی کے بعد دوسرے گروپ میں جا کر مبارک باد دی، یہ جذبہ جمہوریت کے حسن میں اضافہ کر دیتا ہے ، یوں بھی ایک ہی جماعت کے لوگوں کو ایک دوسرے کا زیادہ احترام کرنا چاہئے ۔